لاہور

ماہنامہ

حکمتِ قرآن

مدیر مسئول

ڈاکٹر اسرار احمد

مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

۳۶۔کے ماڈل ٹاؤن لاہور

فون: ۸۵۲۶۱۱

تصانیف : ڈاکٹر اسرار احمد صاحب

۱	اسلام کی نشاۃِ ثانیہ ، کرنے کا اصل کام		۱/۵۰
۲	مسلمانوں پر قرآن مجید کے حقوق	ادنیٰ اعلیٰ	۳/- ۴/-
۳	راہِ نجات ، سورۃ والعصر کی روشنی میں	ضخیم مختصر	۳/- ۲/-
۴	دعوت الی اللہ		۱/۵۰
۵	نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد بعثت	ادنیٰ اعلیٰ	۳/- ۴/-
۶	نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہمارے تعلق کی بنیادیں	ادنیٰ اعلیٰ	۲/- ۳/-
۷	قرآن اور امنِ عالم		۱/۵۰
۸	علامہ اقبال اور ہم		۲/-
۹	عظمتِ صوم		۱/۵۰
۱۰	قرآن حکیم کی سورتوں کے مضامین کا اجمالی تجزیہ		۱۰/-
۱۱	مطالعۂ قرآن حکیم کا منتخب نصاب		۱۰/-
۱۲	عیدالاضحیٰ اور فلسفۂ قربانی		۳/-
۱۳	سرافگندیم		۷/-
۱۴	مطالباتِ دین		۸/-
۱۵	تحریکِ جماعت اسلامی	ادنیٰ اعلیٰ	۱۰ ۲۰
۱۶	شہیدِ مظلوم	ادنیٰ اعلیٰ	۳/ ۴/
۱۷	اسلام اور پاکستان		۵/-
۱۸	تنظیمِ اسلامی کی دعوت		۴/-
۱۹	سانحہ کربلا		۳/-
۲۰	رسولِ کامل صلی اللہ علیہ وسلم		۶/-
۲۱	مسلمانوں کے فرائضِ دینی اور اسوۂ رسولؐ		۶/-

عربی ترجمہ :

۲۲	ماذا یجب علی المسلمین تجاہ القرآن ؟	۵/-

فارسی ترجمہ :

۲۳	دین قرآن بگردن مسلمان	زیرطبع

انگریزی تراجم :

۲۴	The Obligations Muslims owe to the Quran.	۵/-
۲۵	The way to Salvation—in the light of Surah Al-'Asr.	۵/-
۲۶	Islamic Renaissance—The Real Task Ahead.	۳/-
۲۷	The Quran & World Peace.	۳/-
۲۸	Rise & Decline of Muslim Ummah.	۵/-

وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا

ماہنامہ حکمت قرآن لاہور

جاری کردہ

ڈاکٹر محمد رفیع الدین، ایم - اے - پی - ایچ - ڈی - ڈی لٹ (مرحوم)

جمادی الاولیٰ ۱۴۰۴ھ
مطابق
فروری ۱۹۸۴ء
جلد : ۲
شمارہ ۱۲

مدیر اعزازی

ڈاکٹر ابصار احمد
ایم اے - ایم فل - پی ایچ ڈی

معاون مدیر

حافظ عاکف سعید
ایم اے فلسفہ

فہرس

حرفِ اوّل ——— ۲
ڈاکٹر ابصار احمد

الٓمٓ (سورہ یٰسٓ) ——— ۳
ڈاکٹر اسرار احمد

قرآن کریم اور نہی عن المنکر ——— ۱۰
مولانا اخلاق حسین قاسمی

قرآنی فہم کا درجہ حکمت ——— ۲۵
مولانا محمد تقی امینی

قدرت کا جوش رحمت (قسط دوم) ۳۳
مولانا الطاف الرحمٰن بنوی

مروجہ نظامِ زمینداری اور اسلام ۵۱
مولانا محمد طاسین

یکے از مطبوعات : مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور - ۳۶ - کے ماڈل ٹاؤن، لاہور
مطبع آفتاب عالم پریس - زرسالانہ : -/۲۰ روپے اس شمارہ کی قیمت -/۲ روپے

ڈاکٹر ابصار احمد

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حرف اوّل

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ انسان کے اجتماعی نظام کا قصرِ رفیع جن بنیادوں پر استوار ہے ان میں اخلاق کو اوّلین اہمیت حاصل ہے اگر اخلاق صحیح ہے اور انسان نے مخلوق خدا سے حفظ مراتب کے ساتھ بہتر تعلقات قائم کرنے اور انہیں قائم رکھنے کا اسلوب سیکھ لیا اور یہ معلوم کر لیا کہ کن لوگوں سے کس قسم کا معاملہ اور کیا برتاؤ کرنا ہے تو سمجھ لیجئے کہ وہ حقیقی فوز و فلاح سے ہمکنار ہونے والا ہے اور ان مشکلات پر قابو پالیا، جو اس سلسلے میں پیش آسکتی ہیں۔ ہمارے دین کی متعدد تعلیمات سے ہمیں یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ جس شخص کا اخلاق و کردار اچھا نہیں وہ حقیقی ایمان سے بھی تہی دامن ہے۔ اخلاق کے وہ محاسن جنہیں بالخصوص علمی مباحث اور مسلکی معاملات کے ضمن میں پیش نظر رکھنا چاہیئے، عدل و اعتدال، رواداری، وسعت نظر و قلب اور اختلاف کو برداشت کرنے کی صلاحیتیں ہیں۔ جن کے بغیر کوئی معاشرہ اندرونی خلفشار اور باہمی جنگ و جدال کی آماجگاہ بن سکتا ہے۔ قرآن و سنت کی تعلیمات بھی اسی کے عین مطابق ہیں۔ جن میں ہمیں وحدتِ ملت اسلامیہ پر انتہائی زور ملتا ہے۔ اور فروعی معاملات میں مختلف گروہوں کے عقائد کے بارے میں رواداری اور وسعت نظر کی تاکید ملتی ہے۔ اگرچہ یہاں یہ امر بھی ملحوظ خاطر رہنا چاہیئے کہ رواداری اس حد تک بڑھنی نہیں چاہیئے کہ وہ مداہنت میں تبدیل ہو جائے اور بنیادی تعلیمات و اعتقادات بھی اس کی بھینٹ چڑھا دیئے جائیں۔

سطور بالا کو ضبط تحریر میں لانے کا مقصد یہ ہے کہ قارئین "حکمت قرآن" پر یہ امر ایک بار پھر واضح کر دیا جائے کہ رسالہ ہذا میں چھپنے والے تمام مقالات اور تحریریں اپنے لکھنے والوں کے علمی خیالات اور نظریات کی نمائندگی کرتی ہیں۔ ادارہ حکمت قرآن کا بحیثیت ادارہ ان تمام مندرجات سے متفق ہونا ضروری نہیں۔ اس جریدے میں وہ تمام تحریریں جگہ پا سکتی ہیں جن کے استدلال کا تانا بانا قرآن کی نصوص قطعی اور احادیث صحیحہ پر مشتمل ہو اور جملہ دعاوی اور قضیات

(باقی ص۹ پر)

سلسلۂ تقاریر الٓمٓ

سُورۃ یٰسٓ

مقرر : ڈاکٹر اسرار احمد

السلام علیکم : نحمدہٗ ونصلی علی رسولہ الکریم ۔
اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یٰسٓ ۚ وَالْقُرْاٰنِ الْحَكِيْمِ ۙ اِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ۙ
عَلٰي صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۭ تَنْزِيْلَ الْعَزِيْزِ الرَّحِيْمِ ۙ
لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّآ اُنْذِرَ اٰبَاۗؤُهُمْ فَهُمْ غٰفِلُوْنَ ۝

صدق اللہ العظیم

سلسلہ حٰمٓ کی چھ سورتوں کے علاوہ قرآن مجید کی تین سورتیں اور ہیں جو دو دو حروف مقطعات سے شروع ہوتی ہیں یعنی سورہ یٰسٓ، سورہ طٰہٰ اور سورہ نمل ۔ عجیب حسن اتفاق ہے کہ سلسلہ حٰمٓ کی پہلی سورہ یعنی سورۂ مومن، سورہ صٓ سے ایک سورہ بعد واقع ہوئی ہے ۔ اور سورہ یٰسٓ قرآن حکیم میں سورہ صٓ سے ایک سورہ قبل ۔ جہاں تک حروف مقطعات یٰسٓ کا تعلق ہے ان کے بارے میں حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالےٰ عنہما کی یہ رائے ہے کہ یہ مخفف ہے "یا ایھا الانسان" کا یعنی "یا" حرف ندا ہے ۔ اور "س" انسان کا مرکزی حرف ہے اس سے ایک معنوی ربط پیدا ہوتا ہے ۔ اور وہ یہ کہ چونکہ انسانِ کامل ہیں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گویا کہ آں حضورؐ کی ذات اقدس عالم انسانیت کا اصل حاصل ہے لہٰذا یہاں یٰسٓ سے مراد "یا محمدؐ" ہے صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ۔ اور چونکہ حروف مقطعات کے فوراً بعد قرآن حکیم کی قسم کھائی گئی ہے ۔

یٰسٓ ۝ وَالْقُرْاٰنِ الْحَكِيْمِ ۙ

اور اس کے معاً بعد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے خطاب ہے۔
اِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ۝ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ
اس طرح یہاں حروف مقطعات کے معنی اگر "یا محمدؐ" مانے جائیں تو ایک معنوی ربط قائم ہو جاتا ہے۔

اس سلسلۂ کلام میں آج ہم قرآن حکیم کی دسویں سورہ کے بارے میں گفتگو کر رہے ہیں۔ ان تمام سورتوں میں بلا استثناء واحد آغاز میں قرآن مجید کی صداقت وحقانیت اور اس کی عظمت وعلو مرتبت کا ذکر ہے اور نصف سے زائد میں یعنی چھ سورتوں میں باقاعدہ قرآن مجید کی قسم کھائی گئی ہے۔ قرآن حکیم کی قسم کھانے سے جہاں قرآن مجید کی طرف اشارہ ہے۔ وہاں اصل مضمون یہ ہے کہ قسم کا حاصل چونکہ شہادت یا گواہی ہوتا ہے۔ لہٰذا قرآن مجید نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اور رسالت پر سب سے بڑا شاہد، آپ کی صداقت وحقانیت پر سب سے بڑی دلیل۔ یا یوں کہیئے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سب سے بڑا معجزہ ہے۔ یہ بات اس سورہ مبارکہ میں آکر بالکل مبرہن ہو گئی ہے۔

يٰسٓ ۝ وَالْقُرْاٰنِ الْحَكِيْمِ ۝ اِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ۝

یعنی اے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! آپ کی نبوت ورسالت پر سب سے بڑی دلیل سب سے بڑی برہان سب سے بڑی شہادت سب سے بڑی گواہی یہ قرآن مجید ہے جو آپؐ کا اصل معجزہ ہے۔ واضح رہے کہ اگرچہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معجزات اور بھی بے شمار ہیں۔ لیکن جو معجزہ تحدّی یعنی چیلنج کے ساتھ بار بار پیش کیا گیا ہے وہ قرآن مجید ہے۔ سورہ یٰسٓ کے بارے میں متعدد کتب حدیث میں حضرت معقل ابن یسار رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نبی اکرمؐ کے دو اقوال مبارکہ منقول ہیں۔ ایک کی رو سے آپ نے فرمایا:

يٰسٓ قَلْبُ الْقُرْاٰنِ

یعنی سورہ یٰسٓ قرآن مجید کا دل ہے اور دوسرے قول مبارک میں

آپ فرماتے ہیں۔

اِقْرَءُوْا سُوْرَةَ یٰسٓ عَلٰی مَوْتَاکُمْ۔

یعنی سورہ یٰسٓ ان لوگوں کو پڑھ کر سنایا کرو جو عالم نزع میں ہوں۔ جن کا موت کا وقت قریب ہو۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ان اقوال مبارکہ کی بنیاد اور ان کا اصل سبب یہ معلوم ہوتا ہے کہ سورہ یٰسٓ اس میں ہرگز کوئی شک نہیں کہ کمال اختصار کے باوصف اسلام کے جو اساسی معتقدات ہیں یا جو بنیادی ایمانیات ہیں بالخصوص توحید ان کے بیان کے ضمن میں انتہائی جامع سورہ ہے اور دوسرے یہ کہ اس کا اسلوب ایسا عجیب اور مؤثر ہے کہ واقعتاً اس کو پڑھتے ہوئے یوں محسوس ہوتا ہے کہ جیسے کوئی دل دھڑک رہا ہو۔ اس کے انداز سے ایسے محسوس ہونے لگتا ہے کہ ایمان کی رگوں میں تازہ خون دوڑنے لگا ہے۔ اس کا ایک اشارہ اس سے بھی ملتا ہے کہ اس سورہ مبارکہ میں تین مرتبہ "صیحہ" کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ "صیحۃ واحدہ" صیحہ کہتے ہیں کسی اچانک چیخ کو اور چنگھاڑ کو۔

اس سورہ مبارکہ کے عام اسلوب کی طرف اس لفظ میں اشارہ موجود ہے جیسا کہ مولانا حالی نے فرمایا تھا کہ

وہ بجلی کا کڑکا تھا یا صوت ہادی
عرب کی زمیں جس نے ساری ہلا دی

یہ انداز سورہ یٰسٓ میں بتمام و کمال موجود ہے۔ سورہ یٰسٓ ۸۳ آیات اور ۵ رکوعوں پر مشتمل ہے اور یہ مصحف میں اس طرح واقع ہوئی ہے کہ اس کا ایک چوتھائی بائیسویں پارے کے آخر میں ہے اور بقیہ تئیسویں پارے میں۔ اس کے مضامین کا ایک تجزیہ رکوعوں کی تقسیم کے ساتھ بڑی آسانی سے ذہن نشین کیا جا سکتا ہے۔ چنانچہ پہلے رکوع میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت اور رسالت کا ذکر ہے اور اس پر گواہی اور شہادت میں پیش کیا گیا ہے قرآن حکیم۔

دوسرے رکوع میں تاریخ نبوت اور رسالت کا ایک اہم واقعہ بیان ہوا ہے - اللہ تعالےٰ فرما رہے ہیں کہ ہم نے ایک قریے ایک بستی کی طرف اپنے دو رسول بھیجے بستی والوں نے ان کا انکار کر دیا ان کی دعوت پر اعتراض کیا - اسپر ہم نے ایک تیسرے رسول سے انکو تقویت پہنچائی لیکن قوم پھر بھی اپنے انکار و اعراض پر اڑی رہی - لیکن اچانک اس قوم کا ایک فرد جو صالح مزاج اور سلیم الفطرت انسان تھا، وہ دوڑتا ہوا آیا - محسوس ایسا ہوتا ہے کہ کسی ایک مقام پر کوئی اجتماع تھا جہاں رد و کد ہو رہا تھا اور ان رسولوں کو قتل کرنے کی تجویز زیر بحث تھی — یہ موقع تھا - کہ وہ شخص دوڑتا ہوا آیا اور اس نے اپنی قوم کو دعوت دی کہ ان رسولوں کی دعوت قبول کرو ان پر ایمان لے آؤ اور اس نے وہاں مجمع میں علی الاعلان خود اپنے ایمان کا اظہار کر دیا -

اِنِّیْٓ اٰمَنْتُ بِرَبِّکُمْ فَاسْمَعُوْنِ ۝

"سن رکھو! میں تو اس پر ایمان لے آیا، جو میرا اور تمہارا سب کا رب اور مالک ہے" اس کے دو نتیجے نکلے، پہلا یہ کہ قرآن کے انداز بیان سے ایسے محسوس ہوتا ہے کہ قوم نے مشتعل ہو کر اس صالح اور سلیم الفطرت انسان کو فوراً قتل کر دیا نتیجتاً اس شخص کے لئے تو اللہ تعالےٰ کی طرف سے نوید ہے -

قِیْلَ ادْخُلِ الْجَنَّةَ ؕ

"کہا گیا کہ داخل ہو جاؤ جنت میں"

قَالَ یٰلَیْتَ قَوْمِیْ یَعْلَمُوْنَ ۙ بِمَا غَفَرَ لِیْ رَبِّیْ وَجَعَلَنِیْ مِنَ الْمُکْرَمِیْنَ ۝

چنانچہ اس نے کہا کاش کہ میری قوم کو معلوم ہوتا - کہ میرے رب نے میرا کتنا اکرام فرمایا ہے کتنا اعزاز مجھے بخشا ہے اور مجھے معزز ہستیوں میں شامل کر لیا ہے"

دوسرا نتیجہ یہ کہ اس قوم پر اللہ تعالےٰ کا عذاب نازل ہوا - فرمایا گیا -

قوموں کو ہلاک کرنے کے لئے ہمیں آسمان سے لشکروں کو بھیجنے کی ضرورت نہیں پڑتی -

اِنْ كَانَتْ اِلَّا صَيْحَةً وَّاحِدَةً فَاِذَا هُمْ خٰمِدُوْنَ ۝

"بس ایک اچانک چنگھاڑ نے انہیں آلیا ایک چیخ - وہی ان کی ہلاکت کا سبب بن گئی - اور وہ سب کے سب بجھ کر رہ گئے"

تیسرا رکوع جو اس سورہ مبارکہ کا مرکزی رکوع ہے اس میں مظاہر فطرت کے حوالے سے یعنی کہ آیات آفاقیہ اور آیات انفسی کے حوالے سے جو اساسی ایمانیات ہیں ان کا اثبات کیا گیا ہے - توحید کا بھی اور معاد کا بھی چنانچہ یہاں آپکو اس طرح کی آیات ملیں گی -

وَاٰيَةٌ لَّهُمُ الْاَرْضُ الْمَيْتَةُ ۚ اَحْيَيْنٰهَا وَاَخْرَجْنَا مِنْهَا حَبًّا فَمِنْهُ يَاْكُلُوْنَ ۝

"ان کے لئے ایک نشانی ہے مردہ زمین میں وہ مردہ پڑی ہوئی ہے ہم اس پر بارش برساتے ہیں اور اس میں ہر طرف زندگی ہی زندگی کے آثار ہویدا ہو جاتے ہیں - اور اس سے غلہ اگاتے ہیں جس میں سے وہ اپنی خوراک حاصل کرتے اور کھاتے ہیں" - آگے ایک دوسری نشانی پیش فرمائی :

وَاٰيَةٌ لَّهُمُ الَّيْلُ ۖ نَسْلَخُ مِنْهُ النَّهَارَ فَاِذَا هُمْ مُّظْلِمُوْنَ ۝

"ان کے لئے ایک نشانی ہے رات کہ اسی میں سے ہم دن کو نکال لے آتے ہیں - تو ان پر اندھیرا چھا جاتا ہے" پھر سورج کی گردش کا ذکر فرمانے کے بعد تیسری نشانی پیش فرمائی :

وَاٰيَةٌ لَّهُمْ اَنَّا حَمَلْنَا ذُرِّيَّتَهُمْ فِي الْفُلْكِ الْمَشْحُوْنِ ۝

"ان کے لئے ایک نشانی ان کشتیوں میں بھی ہے جن میں ہم ان کی ذریت کو اٹھاتے ہیں" بہرحال آیات آفاقیہ اور آیات انفسی کے حوالے

سے توحید اور معاد کا زبردست اثبات اس رکوع میں پایا جاتا ہے۔
چوتھے رکوع میں آخرت کا نقشہ کھینچا گیا ہے اور اسکے احوال بیان ہوتے ہیں۔ جس کا لب لباب یہ کہ وہاں نوع انسانی کو دو گروہوں میں تقسیم کر دیا جائے گا۔ ایک گروہ ہے جس کے لئے ان کے رب کی طرف سے پروردگار کی جانب سے تہنیت اور تحیت اور مبارکباد مسلسل آتی رہے گی۔

سَلٰمٌ ۟ قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ رَّحِيْمٍ ۝

اور دوسرا گروہ وہ جسکو دھتکارا جائے گا اور فرمایا جائے گا

وَامْتَازُوا الْيَوْمَ اَيُّهَا الْمُجْرِمُوْنَ ۝

"اے مجرمو! آج تم علیحدہ ہو جاؤ آج تم ہمارے فرمانبردار بندوں کے ساتھ گڈمڈ ہو کر کھڑے نہیں رہ سکتے"

آخری رکوع جو بہت جامع ہے اس میں قرآن حکیم کا ذکر ہے اور لوگوں کے اس خیال کی تردید کی گئی ہے کہ شاید محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شاعر ہیں۔ اور قرآن مجید شعر کی کوئی کتاب ہے فرمایا۔

وَمَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْۢبَغِيْ لَهٗ ؕ

"ہم نے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو شعر نہیں سکھایا اور شعر آپ کے شایان شان نہیں ہے آپ شاعر نہیں ہیں"۔

اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ وَّقُرْاٰنٌ مُّبِيْنٌ ۝

"یہ تو یاد دہانی ہے، نصیحت ہے اور قرآن ہے ایک روشن قرآن"

معاد کے سلسلے میں منکرین آخرت کے استہزاء پر قرآن میں بایں الفاظ تبصرہ کیا گیا۔ وَضَرَبَ لَنَا مَثَلًا وَّنَسِيَ خَلْقَهٗ ؕ

یہ جو آخرت کا انکار کرنے والے ہیں وہ ہمارے بارے میں باتیں بناتے ہیں اور مثالیں چسپاں کرتے ہیں اور اپنی تخلیق کو بھول جاتے ہیں۔

قَالَ مَنْ يُّحْيِ الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيْمٌ ۝

وہ کہتے ہیں کہ کون زندہ کریگا ہڈیوں کو جبکہ وہ بالکل بوسیدہ ہو چکی ہونگی۔ گل سڑ چکی ہوں گی "

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ارشاد ہوتا ہے :

قُلْ يُحْيِيهَا الَّذِيٓ أَنْشَأَهَآ أَوَّلَ مَرَّةٍ ۖ وَهُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِيمٌ ۝

"اے نبیؐ! ان سے کہہ دیجئے انہیں وہی زندہ کرے گا جس نے انہیں پہلی مرتبہ پیدا کیا تھا"

واقعہ یہ ہے کہ انسان اپنے ذہن کی تنگی ہی کی وجہ سے آخرت کا انکار کرے تو کرے ورنہ اللہ تعالےٰ سے اسکی قدرت سے اسکی خلاقی سے ہرگز بعید نہیں کہ وہ مرنے کے بعد انسانوں کو دوبارہ زندہ کر سکے۔ اس کی شان تو وہ ہے جو اس سورہ مبارکہ کے اختتام پر ان الفاظ بیان کی گئی ہے۔ إِنَّمَآ أَمْرُهُۥٓ إِذَآ أَرَادَ شَيْـًٔا أَن يَقُولَ لَهُۥ كُن فَيَكُونُ ۝ فَسُبْحَٰنَ الَّذِي بِيَدِهِۦ مَلَكُوتُ كُلِّ شَيْءٍ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ۝

بارك الله لى ولكم فى القرآن العظيم

ونفعنى واياكم بالآيات والذكر الحكيم

بقیہ : قرآن کریم اور نہی عن المنکر

سے وہ کسی گروہ بندی کے ہوں، ایک گذارش کروں گا ۔ اور اس کے لئے میر تقی میر کے دو شعروں کا سہارا لوں گا ۔ میر صاحب جو گل وبلبل کے شاعر ہیں ۔ اسی پیرایہ میں انہوں نے ایک پیغام دیا ہے ۔

آ عندلیب صلح کریں جنگ ہو چکی — لے او زبان دراز تو سب کچھ سوا کُل

گل چین سنبھل کے چنیو کہ گلشن میں — لخت جگر ہیں نہیں برگہائے گل

بقیہ حرف اول

میں دقت نظر اور ذہنی ممارست جھلکتی ہو سنجیدگی ومتانت کا دامن نہ چھوڑا گیا ہو اور مقصد تحریر اصلاح احوال اور اسلام کی سربلندی کا جذبہ ہو صلائے عام ہے یاران نکتہ داں کے لئے ۔

قرآن کریم اور نہی عن المنکر

یہ مقالہ مولانا اخلاق حسین صاحب قاسمی نے محاضراتِ قرآنی
کے خصوصی اجلاس منعقدہ اکتوبر ۱۹۸۳ء میں پیش فرمایا۔

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا حکم قرآن کریم نے بڑی تاکید کے ساتھ دیا ہے، اور اسے امت مسلمہ کا فرض منصبی قرار دیا ہے، لیکن اسی کے ساتھ قرآن کریم کا مطالعہ یہ بھی بتاتا ہے کہ تبلیغ و دعوت کا شعبہ (نہی عن المنکر) بڑی احتیاط اور حکمت کا متقاضی ہے۔

نہی عن المنکر کی اہمیت کا اظہار کرتے ہوئے قرآن کریم نے بنی اسرائیل کے حوالے سے فرمایا،

لُعِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ	بنی اسرائیل کے کافروں پر حضرت
بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ عَلٰى	عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت
لِسَانِ دَاوٗدَ وَعِيْسَى ابْنِ	داؤد علیہ السلام کی زبان سے
مَرْيَمَ ۭ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا	لعنت کی گئی کیونکہ وہ نافرمان اور
وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ۝	سرکش تھے اور ان کے اچھے
كَانُوْا لَا يَتَنَاهَوْنَ عَنْ	لوگ نافرمانوں کو برائی سے نہیں
مُّنْكَرٍ فَعَلُوْهُ ۭ لَبِئْسَ مَا	روکتے تھے۔
كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ۝	بے شک وہ بہت برا کام کرتے
(المائدہ ۷۹)	تھے۔

یعنی برے تو برے تھے ہی ـــــ اچھے لوگوں کا بھی یہ حال تھا کہ وہ برے لوگوں کے ساتھ شیر و شکر ہوتے اور ان کے ساتھ ہم پیالہ اور ہم نوالہ بن کر رہتے۔

اسی طرح سورہ ہود (۱۶) میں ہلاک شدہ قوموں کے بارے میں فرمایا گیا

کہ ان قوموں کے اصحاب خیر اور بااثر لوگ (اولو بقیہ) اگر اخلاقی شر و فساد سے لوگوں کو روکتے رہتے تو وہ قومیں بربادی کا شکار نہ ہوتیں،

ظاہر ہے کہ کسی ایک محلہ یا بستی میں پھیلنے والی گندگی سے اگر حفظانِ صحت کا محکمہ چشم پوشی کرے گا تو وہ ایک محلہ ساری بستی اور سارے شہر کی آب و ہوا کو خراب کرے گا۔

قرآن کریم نے جہاں جہاں امر بالمعروف کی ہدایت کی وہاں وہاں نہی عن المنکر کا حکم بھی دیا ہے البتہ عام طور پر قرآن کریم کا اسلوب یہ ہے کہ وہ نہی عن المنکر کو امر بالمعروف کے بعد دوسرے نمبر پر بیان کرتا ہے۔

قرآن کریم اس ترتیب کی اتنی پابندی کرتا ہے کہ النحل (۹۰) میں خداوند عالم کا براہ راست خطاب اس کے بندوں تک پہنچاتا ہے تو پہلے امر کو بیان کرتا ہے — اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُکُمْ — اور پھر نہی کا ذکر کرتا ہے — وَیَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْکَرِ —

یعنی خدا تعالےٰ عدل و احسان کا حکم دیتا ہے اور برائی اور بے حیائی سے روکتا ہے۔

یہاں تک کہ التوبہ (۶۷) میں منافقین کی بری صفتیں بیان کرتے ہوئے بھی قرآن کریم نے اس ترتیب کا التزام قائم رکھا ہے — فرمایا۔

اَلْمُنٰفِقُوْنَ وَالْمُنٰفِقٰتُ	منافق طبقہ ایمان والوں کے
بَعْضُھُمْ مِّنْ بَعْضٍ یَاْمُرُوْنَ	برعکس برائیوں کا حکم دیتا
بِالْمُنْکَرِ وَیَنْھَوْنَ عَنِ	ہے اور بھلائیوں سے روکتا
الْمَعْرُوْفِ	ہے۔

یہاں بھی امر و نہی کے درمیان وہی ترتیب قائم ہے۔

قرآن کریم میں امر و نہی کے درمیان اس ترتیب کا التزام نہ تو اتفاقی ہے اور نہ اس میں صرف حسن بلاغت کا کوئی نکتہ پوشیدہ ہے بلکہ اس ترتیب میں ایک خاص ہدایت دینی مقصود ہے — اور وہ یہ کہ داعی اور مبلغ کو برائیوں پر روک ٹوک کرتے ہیں اور برائیوں پر نکتہ چینی اور تنقید

کرنے میں سخت احتیاط برتنی چاہیئے۔

سماج میں پھیلی ہوئی برائیوں پر آواز بلند کرنے میں ذرا سی بے احتیاطی، جوش وخروش، تعلّی اور تکبّر کی معمولی سی جھلک بھی بڑی برائیوں کا سبب بن سکتی ہے۔

نماز، روزہ کی فضیلت، اکل حلال اور اتفاق واتحاد کی برکتیں ایک عام مسلمان بھی آسانی سے بے جھجک لوگوں کے سامنے پیش کرسکتا ہے لیکن شراب نوشی، رشوت خوری اور حق تلفی کی برائیوں پر گرفت کرنے اور ان منکرات پر نکتہ چینی کرنے میں اگر سنجیدگی، اخلاص اور ذاتی ہمدردی کا جذبہ نہ ہو تو اس برائی سے — بڑی برائی، شر و فساد اور جنگ وجدل کی فضا جنم لیتی ہے۔

اور پھر اس وقت ترغیب وتشویق کی راہ سے معاشرہ میں عقائد صحیحہ اور عبادت واخلاق کے پھیلنے میں رکاوٹیں کھڑی ہوجاتی ہیں۔

دوسری اہم ہدایت اس اسلوب میں یہ پوشیدہ ہے کہ ہر مسلمان پہلے اپنی زندگی کو حق کی برہان اور اسلام کی حجت بنائے اور اپنی زندگی کو معروف ومحاسن کا پیکر بنا کر پیش کرے — اس کے بعد ہی برائیوں کے خلاف اسکی آواز میں اثر وخلوص پیدا ہوگا۔

یہ حقیقت ہے — کہ جو گروہ قبر پرستی، تعزیہ پرستی اور دوسری توہم پرستیوں کا شکار ہو، اس کے رہنما اہل کفر کی بت پرستی کے خلاف دھواں دھار تقریریں کریں اور شعلہ بار کتابیں لکھیں تو ان کے اس اصلاحی جہاد کا کیا اثر ہوسکتا ہے؟

یہ دعویدار ان اسلام اپنی پرستاریوں کو شرک وکفر کے دائرہ سے نکالنے کے لئے جس قسم کی تاویلات کرتے ہیں اسی قسم کی توجیہات اہل کفر کے دانش ور بت پرستی اور مظاہر پرستی کے باوجود اپنے آپکو توحید پرست ثابت کرنے کے لئے پیش کرتے ہیں،

ہندوستان کے ایک غیر مسلم مذہبی رہنما مسلمانوں پر طنز کرتے ہوئے کہتے

تھے کہ مسلمانو! تم پر تو ابھی صرف تیرہ سو سال گذرے ہیں اور تم میں قبر پرستی اور تعزیہ پرستی پیدا ہو گئی — ہماری تہذیب پر تو تیرہ ہزار برس سے زیادہ گذر چکے — پھر اگر ہم میں بت پرستی آگئی تو اس میں تعجب کی کونسی بات ہے؟

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی نے اصنام پرستی پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے۔

لیکن عوام ایں فرقہ بسبب قصور فہم درمیان ظاہر و مظہر فرق نہ کردہ ہمہ را معبود ساختند و در ضلالت افتادند وہمیں است حال فرقہ ہائے بسیار از مسلمین مثل تعزیہ سازان و مجاوران قبور و جلالیان و مداریان، واللہ اعلم بحقیقۃ الحال۔	لیکن اس فرقہ کے عوام نے اپنی بے سمجھی کی وجہ سے ظاہر اور مظہر کے درمیان فرق نہ کیا اور سب کو معبود بنا لیا اور گمراہی میں جا پڑے۔ اور یہی حال مسلمانوں کے بہت سے فرقوں کا ہے جیسے تعزیہ بنانے والے اور مزارات کے مجاور اور جلالی اور مداری فرقہ کے لوگ۔

(فتاوٰی عزیزی مطبع مجتبائی دہلی صـ۱۴)

اب قرآن کریم کی اس مشہور آیت پر غور کیجئے جس میں حضرت حق جلّ مجدہٗ نے منکرات و بدعات کے خلاف آواز اٹھانے کی بنیادی شرط بیان ہے — فرمایا۔

وَلَا تَسُبُّوا الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَيَسُبُّوا اللّٰهَ عَدْوًا بِغَيْرِ عِلْمٍ ؕ كَذٰلِكَ زَيَّنَّا لِكُلِّ اُمَّةٍ عَمَلَهُمْ ۪ ثُمَّ اِلٰى رَبِّهِمْ مَّرْجِعُهُمْ فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝	یہ اہل کفر جن ہستیوں کو خدا کے سوا پوجتے ہیں انہیں برا نہ کہو ورنہ وہ تمہارے خدائے برحق کو برا کہیں گے عناد اور دشمنی میں، اسی طرح ہم نے ہر قوم کے اعمال کو اسکی نظروں

میں پسندیدہ بنا دیا ہے، پھر دو ٹوک فیصلہ کے لئے یہ سب اپنے پروردگار کی طرف لوٹیں گے اور وہ انکو ان کے کاموں کے انجام سے خبردار کرے گا۔ (الانعام ۱۰۸)

مفسرین نے لکھا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک اور آپ کا کلام ہمیشہ سنجیدہ اور پروقار ہوتا تھا، گالی اور دشنام کبھی آپ کی زبان پر جاری نہیں ہوا۔ پھر سرداران قریش نے حضور کی طرف دشنام طرازی کی نسبت کیوں کی۔؟

اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ بعض جوشیلے اور جذباتی مسلمانوں کی زبان سے مشرکین کے فرضی معبودوں کے بارے میں تحقیر آمیز کلام نکل جاتا ہوگا، قریش مکہ نے آپ کے بعض رفقاء کے کلام کو آپ کی طرف منسوب کرکے یہ دھمکی دی اور قرآن کریم نے اس کی ممانعت فرمائی۔

یہی وجہ ہے کہ ــــ لَا تَسُبُّوا ــــ کا خطاب خاص حضورؐ کی طرف نہیں ہے بلکہ خطاب عام ہے، حالانکہ اس سے اوپر والی آیت میں ــــ اِتَّبِعْ مَآ اُوْحِیَ اِلَیْکَ ــــ میں خطاب خاص طور پر آپؐ کو کیا گیا ہے۔

علامہ ابن قیم نے اپنی مشہور کتاب اعلام الموقعین میں نہی عن المنکر کے آداب پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھا ہے۔

(۱) اگر برائی کی جگہ نیکی آجائے یا برائی کی شدت کم ہو جائے تو ان دونوں صورتوں میں نہی عن المنکر کی اجازت ہے۔

(۲) اور اگر ایک برائی کی جگہ کسی دوسری برائی کے پیدا ہونے کا قوی اندیشہ ہو تو ایسی صورت میں داعی کو سوچ سمجھ کر اعلان حق کرنے یا خاموشی اختیار کرنے میں سے کسی ایک مناسب صورت پر عمل کرنا چاہیئے۔

(۳) اور اگر نہی عن المنکر کرنے سے ایک چھوٹی برائی کی جگہ دوسری بڑی برائی کے پیدا ہونے کا اندیشہ ہو تو اس صورت میں نہی عن المنکر ممنوع ہوگی اور سکوت اختیار کرنے کا حکم ہوگا۔

علامہ نے انعام (۱۰۸) پر لکھا ہے۔

وھذا کالتنبیہ بل کالتصریح علی المنع من الجائز لئلا یکون سببا فی فعل مالا یجوز	یہ آیت اس امر کی وضاحت کر رہی ہے کہ جو جائز باتیں ناجائز باتوں کا سبب اور پیش خیمہ بنتی ہیں ان سے رُک جانا چاہیئے۔

نہی عن المنکر میں احتیاط کرنے کی ایک مثال حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعات میں ملتی ہے، — فرعون نے آپ سے سوال کیا۔

قَالَ فَمَنْ رَّبُّكُمَا يٰمُوْسٰى ۝ قَالَ رَبُّنَا الَّذِيْٓ اَعْطٰى كُلَّ شَيْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰى قَالَ فَمَا بَالُ الْقُرُوْنِ الْاُوْلٰى قَالَ عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّيْ فِيْ كِتٰبٍ، لَا يَضِلُّ رَبِّيْ وَلَا يَنْسَى (طٰہٰ ۵۲)	فرعون نے سوال کیا، اے موسیٰ اور ہارون تمہارا ربّ کون ہے، انہوں نے فرمایا — ہمارا رب وہ ہے جس نے ہر شئی کو اس کے مناسب صورت عطا فرمائی اور پھر زندہ رہنے کی سمجھ بخشی، پھر اس نے سوال کیا، پچھلی قوموں، عاد وثمود وغیرہ کا کیا حال ہوا ہے۔

انہوں نے جواب دیا، ان قوموں کا علم میرے رب کے پاس ہے، میرا ربّ نہ بہکتا ہے اور نہ بھولتا ہے۔

حضرت موسیٰ نے رب العالمین کی جو تعریف کی اس سے بہتر اور جامع تعریف اور تعارف ممکن نہ تھا، اس پر فرعون کیا نکتہ چینی کرتا — لیکن اس نے حضرت موسیٰ کو الجھانے کے لئے ایک دوسرا سوال کیا — حضرت موسیٰ فرعون کا مطلب سمجھ گئے اس لئے سیدھا جواب دینے کے بجائے نہایت حکیمانہ پیرایہ میں جواب دیا — سیدھا جواب یہ تھا کہ وہ قومیں نافرمان تھیں، ان کا ٹھکانا جہنم ہے — لیکن اس جواب سے فرعون عوام الناس کو حضرت موسیٰ کے خلاف بھڑکا سکتا تھا کہ دیکھو! یہ شخص ہمیں کو نہیں بلکہ ہمارے اسلاف اور

بڑوں کو بھی گمراہ قرار دے رہا ہے،

حضرت موسیٰ نے اس جواب سے گریز کر کے یہ حکیمانہ جواب دیا کہ ان قوموں کا علم میرے خدا ہی کے پاس ہے!۔

شرک کا ابطال کرتے ہوئے سب سے زیادہ جوش و خروش سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے دکھایا اور بت شکنی کا مظاہرہ کیا — لیکن وہ عمل نمرود کے ساتھ مناظرہ اور محاجّہ کے موقعہ پر ہوا۔

لیکن توحید الٰہی کا یہ پرجوش داعی جب اپنے ظالم مشرک باپ سے جدا ہونے لگا تو اس وقت حضرت ابراہیم ایک پرجوش داعی کی جگہ ایک نہایت نرم اخلاق اور باادب بیٹے نظر آنے لگے۔

باپ آزر نے گھر سے نکالا تھا، ابراہیم بے قصور تھے، کچھ تو انہیں غصہ آیا ہوتا، کچھ تو جلال میں آتے، — لیکن گھر سے بے گھر ہوتے ہوئے باپ سے فرماتے ہیں۔

قَالَ سَلٰمٌ عَلَيْكَ ۚ سَاَسْتَغْفِرُ لَكَ رَبِّيْ ۖ اِنَّهٗ كَانَ بِيْ حَفِيًّا (مریم)

مفسرین لکھتے ہیں کہ یہ سلام — سلام تحیۃ — نہیں، بلکہ سلام مفارقت ہے اس لئے مترجمین کو عجمی زبانوں (فارسی اور اردو) میں سلام مفارقت کا صحیح مفہوم ادا کرتے میں بڑی دشواری پیش آئی ہے۔

اردو تراجم میں دہلی کے مشہور اردو ادیب ڈپٹی نذیر احمد صاحب مرحوم نے اس مفہوم کو ادا کرنے کی کامیاب کوشش کی ہے، لکھتے ہیں۔

"ابراہیم نے کہا، اچھا تو میرا سلام ہے، — اس پر بھی میں آپ کیلئے اپنے رب سے دعا کروں گا۔"

یہ حضرت ابراہیم جیسے جلیل القدر رسول کے اخلاق کریمانہ کا اصلی رنگ تھا اور بت شکنی کا مظاہرہ نمرود اور اس کی گمراہ قوم کے ظلم و ستم اور ہٹ دھرمی کا جواب تھا اور جس حقیقت کو وہ کور باطن معقول دلائل سے نہ سمجھ سکے تھے، اس عبرتناک منظر کے ذریعہ انہیں کھلی آنکھوں سے اس حقیقت کا مشاہدہ

کرانا مقصود تھا — اور وہ بات ہوتی — اور کائنات کی سب سے بڑی حقیقت، وحدتِ ربوبیت اقرار کی صورت میں ان کی زبان پر جاری ہوگئی —

قرآن کریم میں ایک مثالی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور قریش مکہ کی ہے —

قریش مکہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام توحید سنکر اس کے مقابلہ میں باپ دادا کی پیروی کا نعرہ لگاتے تھے اور ان کا مقصد اپنے باپ دادا کی پیروی کا نعرہ لگانے سے یہ تھا کہ رسول پاکؐ باپ دادا کا نام سُن کر یا ان کے ادب سے خاموش ہوجائیں گے یا آپ ان کی گمراہی کا اعلان کریں گے اور دوسری صورت میں عوام کے اندر حضور کے خلاف غم و غصہ پھیل جائے گا — اور واقعۃً حضور کے لئے یہ بڑا نازک معاملہ تھا، — قرآن کریم نے بیان کیا:

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ اتَّبِعُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا بَلْ نَتَّبِعُ مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا اَوَلَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ شَيْـًٔا وَّلَا يَهْتَدُوْنَ ۝ (البقرۃ ۱۷۰)	جب ان لوگوں سے کہا جاتا ہے کہ خدا کے نازل کئے ہوئے قانون کی پیروی کرو تو وہ کہتے ہیں — نہیں — ہم تو اس راہ پر چلیں گے جس پر ہم نے اپنے آباء و اجداد کو پایا ہے — تو کیا ان کے باپ دادا کچھ نہ سمجھتے ہوں اور نہ ہدایت یافتہ ہوں تب بھی — وہ ایسا ہی کریں گے —

المائدہ میں کہا:

اَوَلَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ شَيْـًٔا وَّلَا يَهْتَدُوْنَ (۱۰۴)	اگر ان کے باپ دادا کچھ نہ جانتے ہوں اور ہدایت پر نہ ہوں تو بھی — !

قرآن کریم نے اس نازک موقعہ پر کتنی احتیاط کی ہے، — ولو کان

آباءھم جاھلون اور ضالون — کہنے کے بجائے منفی پیرایہ میں کلام کو نرم کر کے پیش کیا "

اگر یہ کہا جاتا — اگر ان کے باپ دادا جاہل اور احمق اور گمراہ ہوں کیا تب بھی وہ انہی کی پیروی کریں گے — ؟ — ان جملوں سے قریش مکہ کو حضورؐ کے خلاف فتنہ پھیلانے کا موقعہ مل جاتا اور وہ یہ کہتے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنے باپ دادا کو بُرا کہہ رہے ہیں "

مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے معارف القرآن میں آیت الانعام کے تحت لکھا ہے کہ قرآن کریم کی جن آیات میں بتوں کی مذمّت اور تحقیر کی گئی ہے اور وہ مناظرانہ خطاب میں واقع ہیں اگر کوئی شخص مشرکین کو چڑانے کے لئے ان آیات کی تلاوت کرے ——— تو وہ تلاوت بھی سَبّ ممنوع (غیر جائز مذمّت کرنے) میں داخل ہوگی جیسے مکروہ مواقع اور ممنوع مقامات (پاخانہ اور غسل خانہ) میں تلاوت کرنا مکروہ قرار دیا جاتا ہے۔

(معارف ج ۳ ص ۴۲۰)

مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان القرآن میں لکھا ہے کہ بتوں کو بُرا کہنا فی نفسہ امر مباح ہے لیکن امر مباح جب ایک امر حرام یعنی خدا تعالیٰ کی جناب میں گستاخی کا سبب بن جائے تو یہ امر مباح بھی غیر جائز ہو جائے گا۔ مولانا تھانوی نے باطل معبودوں کے بارے میں یہ بات کہی ہے — رہا دوسری قوموں اور فرقوں کے مذہبی پیشواؤں اور ان کی اپنی قابل احترام ہستیوں کا معاملہ — تو ظاہر ہے کہ وہ بدرجۂ اولیٰ اس زمرہ میں شامل ہوں گی اور ان کے ساتھ سبّ و شتم کرنا ناجائز و ممنوع ہوگا۔ دل آزار پیرایہ کلام ناجائز ہوگا —

چنانچہ ایک حدیث میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسروں کے ماں باپ کو گالیاں دینے والے کو خود اپنے ماں باپ کو گالیاں دینے والا —— قرار دیا ہے کیونکہ اس نے دوسروں کو گالیاں دے کر اپنے بزرگوں کیلئے گالیوں کا دروازہ کھولا۔

سُلطان جائر کے خلاف اعلان نہی عن المنکر کی ایک قسم وہ ہے جو مسلم اقتدار کی کمزوریوں کے مقابلے میں افضل الجہاد کا درجہ رکھتی ہے — حدیث پاک میں آتا ہے۔

افضل الجهاد كلمة حق عند سُلطان جائر

شریعت نے اس زبانی اور قلمی جہاد کے بارے میں بھی یہ تاکید کی ہے کہ اس نعرۂ حق میں ایسا جارحانہ انداز پیدا نہ ہونے دیا جائے جس سے عوام الناس کے اندر تشدد کا ذہن جنم لیتا ہے۔

حضرت عبادہ ابن صامتؓ فرماتے ہیں کہ رسُول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے اطاعت امیر پر بیعت لیتے ہوئے فرمایا۔

وان لا ننازع الامر	ہم امیر و امام کے ساتھ جھگڑا
اهله الّا ان تروا	نہ کریں گے مگر اس وقت
كفرًا بواحًا عندكم	جب اس سے کھلا کفر سرزد
من الله فيه	ہو اور اس کفر کے کفر ہونے

کی دلیل خدا تعالےٰ کے دین کی روشنی میں موجود ہو،

حضرت عبداللہ ابن عمرؓ کی روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

السمع والطاعة على	مسلمان پر اپنے امیر کی اطاعت
المرأ المسلم فيما احبّ	اور اس کا حکم سننا واجب
وكره ما لم يؤمر	ہے وہ اس ہدایت کو ذاتی طور
بمعصية	پر پسند کرے یا ناپسند کرے،
(مشکوٰۃ کتاب الامارۃ	جب تک وہ خدا تعالےٰ کی
ص ۳۱۸)	نافرمانی کا حکم نہ دے۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب الاحکام باب السمع والاطاعۃ میں وہ تمام احادیث جمع کر دی ہیں جن میں امام و حاکم اسلام کے خلاف خروج و بغاوت کی ممانعت کر دی گئی ہے۔

ان احادیث کی شرح کرتے ہوئے حضرت مولانا انور شاہ صاحب کشمیری لکھتے ہیں — لو امر بالکفر البواح یجب الخروج علیہ وان عصیٰ او آذی الناس یجب علیہ الصبر (فیض الباری ج ۴ ص ۴۹۹)

یعنی کھلے کفر کا حکم دینے پر حاکم کے خلاف بغاوت واجب ہے لیکن شرع نافرمانی اور لوگوں کو تکلیف دینے پر بے صبری اختیار کرنا جائز نہیں — یعنی اس صورت میں صبر و برداشت کے ساتھ اصلاح حال کی پر امن جد و جہد اختیار کرنی چاہیئے -

حدود اللہ کا اجرار

نہی عن المنکر کی ایک قسم سنگین اخلاق جرائم پر حدود اللہ کا اجرا ہے، — ناواقف لوگ اسلامی حدود و تعزیرات کو دور وحشت کی یادگار قرار دے کر اسلام کے خلاف پروپیگنڈہ کرتے ہیں لیکن وہ یہ نہیں دیکھتے کہ اسلام نے

(۱) قتل کی سزا میں قصاص اس وقت نافذ کیا جب معاشرہ میں انسانی جان کی حرمت کا تصور عام ہو گیا، انسانیت نے اپنا کھویا ہوا وقار حاصل کر لیا، رنگ و نسل اور چھوت چھات کے انسانیت سوز خیالات مٹ گئے اور ضمیر و رائے کی آزادی کا جمہوری اصول قائم ہو گیا -

(۲) چور — کا سزا میں ہاتھ کاٹنے کا قانون اس وقت نافذ کیا جب معاشرہ میں چوری کرنے اور دوسرے کے مال اور املاک پر ہاتھ ڈالنے کی ضرورت باقی نہیں رہی، مالداروں پر ناداروں کی کفالت قانون اور اخلاق دونوں راستوں سے واجب کر دی گئی، حکومت کی یہ ذمہ داری قرار دی گئی کہ کوئی غریب رات کو بھوکا نہ سوئے اور کوئی معذور سر بازار بھیک مانگتا نہ پھرے ،

(۳) سنگ ساری اور کوڑے مارنے کی سزا زنا اور بدکاری کے جرم میں، — اس وقت نافذ کی گئی جب معاشرہ کو فحش گوئی اور فحش کاری سے مکمل طور پر پاک کر دیا گیا اور جنسی خواہشات کو پوری کرنے کے لئے

جائز رشتہ کا قیام آسان ہو گیا۔

اور مال دولت اور ظاہری حسن و جمال کے مقابلے میں نیک سیرت عورت کو زندگی کی بہترین متاع تسلیم کر لیا گیا۔

پھر حدود شرعی جاری کرنے کے لئے اسلام نے شہادت قانون کو معقول پابندیوں کے ذریعہ اتنا سخت کر دیا کہ جب ایک شیطان صفت انسان بد اخلاق، بے شرمی اور ظلم و ستم میں حیوانیت کے مقام پر صاف صاف کھڑا نظر آتا ہے اس وقت اسلام اس پر عبرتناک سزائیں نافذ کرتا ہے، — اس سے پہلے نہیں

اجتہادی مسائل

نہی عن المنکر کی ایک قسم وہ ہے جسے علماء کرام کے ایک طبقہ نے غلط فہمی کی وجہ سے نہی عن المنکر سمجھ رکھا ہے حالانکہ اجتہادی اختلاف سے تعلق رکھنے والے مسائل کو اس منکر کا درجہ نہیں دیا جا سکتا جس پر نکیر کرنے، نکتہ چینی کرنے اور اس پر روک ٹوک کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

مثلاً نماز کا ترک کرنا شرعی منکر ہے اور اس پر سرزنش کرنے کی ہدایت ہے اور نماز میں سورۃ فاتحہ کا ترک کرنا شرعی منکر نہیں ہے، بعض علماء اسے صحیح نہیں سمجھتے اور بعض علماء کے نزدیک یہ ضروری ہے — اور یہ صحیح اور غلط اجتہادی دلیل کی بناء پر ہے۔

علماء حق نے تصریح کی ہے کہ کسی اجتہادی صواب کو یقینی طور پر حق و صواب نہیں کہا جا سکتا اور نہ کسی اجتہادی خطاء کو یقینی طور پر خطا کہا جا سکتا ہے بلکہ صواب کے ساتھ خطا کے احتمال کا اور خطاء کے ساتھ صواب کے احتمال کا عقیدہ رکھا جاتا ہے۔

اس سے یہ بات صاف ہو گئی کہ اجتہادی اختلافات میں کوئی پہلو منکرات شرعی میں داخل نہیں، اس لئے اجتہادی غلطیوں پر شرعی منکرات کی طرح نکتہ چینی کرنا اور ان کو صواب سمجھ کر ان پر عمل کرنے والوں کو مطعون کرنا درست نہیں بلکہ یوں کہا جائے گا کہ امر غیر منکر پر نکیر کرنا خود امر منکر ہے،

پھر اجتہادی مسائل — میں مناظرہ بازی کرنا اور عرب عقائد کے میدان گرم کرنا کس دلیل سے جائز سمجھ لیا گیا ہے — ؟

نہی عن المنکر کے آداب اور مصالح کو نظر انداز کرنے کے نتائج پر روشنی ڈالتے ہوئے علامہ ابن قیم نے ایک جگہ لکھا ہے —

ومن تأمل ماجرای علی	جو شخص تاریخ اسلام میں رونما
الاسلام من الفتن الکبار	ہونے والے بڑے اور چھوٹے
والصغار رآها من	فتنوں پر غور کرے گا اس پر
اضاعة هذا الاصل و	ظاہر ہوگا کہ وہ نہی عن المنکر
عدم الصبر علی منکر	کے اسی اصول کو ترک کرنے
فطلب ازالته فتولد	اور بے صبری اختیار کرنے کی
منه ما اکبر منه -	وجہ سے رونما ہوتے ہیں -

لوگوں نے ان برائیوں کو دور کرنا چاہا اور نتیجہ میں یہ ہوا کہ اس سے بڑی برائیاں رونما ہوگئیں - (اعلام ص۲۸)

آخر میں یہ عرض کرنا ضروری ہے کہ اس مضمون سے یہ تاثر لینا درست نہ ہوگا کہ اسلام میں برائیوں کو گوارا کرنے کی گنجائش ہے اور اسلام برائیوں کو دور کرنے کے معاملہ میں کسی قسم کی نرمی اور کمزوری کا روادار ہے —

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا —

اذا امرتکم بشئی فاتوا	جب میں تمہیں کسی اچھی بات
منه ما استطعتم واذا	کا حکم دوں تو جہاں تک ہو
نهیتکم فاجتنبوه	سکے تم اس کی تعمیل کرو اور
(الاشباہ والنظائر ص۳۶)	جب کسی بری بات سے روکوں
	تو اس سے دور رہو -

فقہاء اسلام نے اس حدیث پاک سے یہ قاعدہ اخذ کیا ہے کہ نقصان کو دور کرنا (دفع مضرت) فائدہ حاصل کرنے (جلب منفعت) سے مقدم ہے کیونکہ اس ارشاد گرامی میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے معروف کے حکم پر

استطاعت کی قید لگائی اور برائی سے بچنے کی ہدایت کو بلا قید او راطلاق کے ساتھ بیان کر دیا۔

اسی طرح ایک دوسری حدیث ہے۔

لئن لك ذرة مما نهى الله	چھوٹی برائی چھوڑ دینا
عنه افضل من عبادة	ثقلین (جن وانس) کی
الثقلين ۔	عبادت سے افضل ہے۔

(سیرت امام اعظم ص۲۷۳)

اس بنا پر دعوت الی اللہ اور تبلیغ دین کا مشن چلانے والی کسی جماعت کے لئے یہ مناسب نہیں کہ وہ نہی عن المنکر کے شعبہ کو بالکل ترک کر دے اور اپنے طرز عمل سے مسلمانوں کے اندر یہ ذہن پیدا کر دے کہ جنت میں جانے کے لئے صرف روزہ نماز کی رسمی ادائیگی کافی ہے اور مسلمانوں کے ذہن میں اس تصور کو بار بار اجاگر نہ کیا جائے کہ روزہ نماز تو بلا شبہ جنت کی ضمانت ہیں لیکن روزہ نماز کے قبول ہونے کی ضمانت یہ ہے کہ مسلمان جھوٹ نہ بولے، غیبت نہ کرے، بے حیائی اور حق تلفی کے گناہوں سے دور رہے — ان منکرات کی ملاوٹ کے ساتھ روزہ نماز جیسی اہم عبادات کو جنت کی ضمانت سمجھنا — بڑی بھول ہے۔

مذہبی قائدین سے گذارش

عالم اسلام میں اسلامی احیاء کی تحریک اسلام سے محبت کرنے والے ہر انسان کے لئے زندگی کی وہ آخری بشارت ہے جس کے لئے وہ زندہ رہنے کی تمنا کرتا ہے — لیکن اس کے ساتھ یہ تحریک اسلام کی مذہبی قیادت کے لئے بیسویں صدی کا ایک زبردست چیلنج ہے۔

قرآن بہترین نظام حیات ہے لیکن اگر اسے بہترین قیادت نہ ملتی اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ راشدین جیسے شاہد و قائد نصیب نہ ہوتے تو دنیا کی یہ بہترین کتاب صرف الماری کی زینت بن کر رہ جاتی، آج بھی یہی صورت حال ہے۔

قرآن کریم بہترین کتاب ہے، کامیاب نظام زندگی ہے لسانی فصاحت و بلاغت کا معجزہ ہے، روحانی اخلاقی سماجی اور اجتماعی کامیابیوں کی یقینی ضمانت ہے — لیکن سوال یہ ہے کہ قرون اولی کے بعد اسلامی قیادت پر جو زوال آیا کیا اسلامی قیادت اس زوال سے نکل گئی اور بڑی بڑی ہوش ربا ٹھوکریں کھانے کے بعد بھی کیا اسکی آنکھیں کھل گئیں؟

ٹھیک ہے کہ ہر دور میں کچھ اللہ کے بندے اٹھے اور انہوں نے اپنی بہترین قائدانہ صلاحیت کا مظاہرہ کرکے اس طبقہ کی گری ہوئی ساکھ کو بحال کرنے کی مخلصانہ کوشش کی لیکن وہ اللہ کے بندے اپنی انفرادی تاریخ ضرور بنا گئے — مذہبی قیادت اور علماء کرام کا کم از کم ایک معتدبہ گروہ بیسویں صدی کے تقاضوں کے مطابق اسلام کو ہر سطح پر سربلند کرنے کے قابل پیدا نہ ہوسکا۔

ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کی جدوجہد ہندوستان کے اندر بھی اہل علم کے سامنے آتی رہتی ہے اور یہاں آکر میں نے قریب سے ڈاکٹر صاحب کی منظم جدوجہد کا مطالعہ کیا - چھوٹا منہ بڑی بات ہوگی — اپنے تاثر کی بنا پر میں ڈاکٹر صاحب سے عرض کروں گا کہ وہ قرآن کریم کے کمالات کو اپنی تقریر و تحریر کا موضوع بنانے کے ساتھ ساتھ قرآن کریم کے اولین قائد و شاہد کی عملی زندگی کے نمونوں کو بھی اس ملت کے سامنے بار بار دوہرائیں اور قرآن کریم کی صداقت کے عملی گواہوں رسول پاکؐ اور آپ کے رفقاء، کے اسوۂ حسنہ کے روشن پہلوؤں — ایثار، اتحاد، اخوت، محبت اور خشیت — کے بے مثال واقعات کو بار بار، تکرار کے ساتھ ملت کے کانوں تک پہنچائیں۔

اس لئے بھی کہ احیاء اسلامی کی جدوجہد کے قابل فخر موجودہ کارناموں کے ساتھ بلاوجہ اور بے مقصد ان شاہدین قرآن کے بشری ابتلاء کی داستانوں کو ابھار کر قرآن کریم کی عظمت اور صداقت کے اثر کو نادانستہ طور پر کم کرنے کی جو کوشش کی گئی ہے اسکی تلافی ہوسکے — اور اس کا کفارہ ادا کیا جاسکے، اسی کے ساتھ ایک عالم مسلمان کی حیثیت سے اپنے تمام مذہبی قائدین

(باقی صفحہ ۹ پر)

قرآنی علم و فہم کا درجہ حکمت

(قسط ۶)

مولانا محمد تقی امینی

"احسن تقویم" میں انسانی جبلت کی تکوین ذوق طبعی (اجزائے ترکیبی کے خواص سے تیار ہوتا ہے) اور نور فطری (اللہ کی طرف سے عطا کیا جاتا ہے) دونوں کے خواص سے ہوتی ہے اور زندگی میں دونوں کے اثرات نمایاں ہوتے ہیں۔ قرآن حکیم میں ہے:

اَلَّذِیْ اَحْسَنَ کُلَّ شَیْءٍ خَلَقَهٗ.....الخ [1]

"اللہ نے جو چیز بنائی خوب ہی بنائی اس نے انسان کی پیدائش کا آغاز مٹی سے کیا پھر اس کی نسل حقیر و بے قدر پانی کے ست (خلاصہ) سے چلائی پھر اس کو تکمیلی مرحلہ سے گذارا اور اس میں اپنی روح پھونکی اور تمہارے لئے کان آنکھیں اور دل بنائے تم بہت ہی تھوڑا شکر کرتے ہو۔"

دوسری جگہ ہے:

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ..... الخ [2]

"ہم نے انسان کو مٹی کے خلاصہ (ست) سے پیدا کیا پھر ہم نے اس کو پانی کی بوند کی شکل دے کر ایک محفوظ جگہ میں رکھا، پھر اس کو جمے ہوئے خون کے لوتھڑے کی شکل دی، پھر اس کو گوشت کے ٹکڑے میں تبدیل کیا، پھر اس میں ہڈیاں پیدا کیں، پھر ہڈیوں کو گوشت کا جامہ پہنایا، پھر اس کو ایک دوسری ہی مخلوق بنا دیا۔ بڑا ہی بابرکت ہے اللہ بہترین پیدا کرنے والا۔"

ان آیتوں سے ذوق طبعی کی نمائندگی لفظ "طین" کرتا ہے جس سے اجزائے ترکیبی کے خواص کی طرف اشارہ ہے اور نور فطری کی نمائندگی لفظ "روح" کرتا ہے جس سے ان خصوصیات کی طرف اشارہ ہے جو انسان میں اجزائے ترکیبی کے ماسوا ہیں۔

لفظ "طین" میں تمام وہ اجزاء شامل ہیں جو زمینی مادہ سے ہیں اور جن کی آمیزش

---

[1] سورۂ سجدہ آیت ۶ تا ۹ [2] سورۂ مومنون آیت ۱۲، ۱۳، ۱۴

سے جرثومۂ حیات و تخمِ حیات وجود میں آیا اور رفتہ رفتہ پیکر کی شکل اختیار کرتا ہے۔ ان اجزاء کے خواص کی طرف اشارہ سب سے پہلے فرشتوں نے ان الفاظ میں کیا تھا:

اَتَجْعَلُ فِيْهَا مَنْ يُّفْسِدُ فِيْهَا	کیا آپ اس کو خلیفہ بنائیں گے جو زمین
وَيَسْفِكُ الدِّمَاءَ [1]	میں فساد و خون ریزی کرے گا۔

ابنِ عربیؒ کہتے ہیں:-

هما من خواص الشهوة والغضب الضروري وجودهما في تعلق الروح بالبدن [2]

فساد و خون ریزی قوتِ شہوت و غضب کے خواص میں سے ہیں جن کا وجود بدن کے ساتھ روح کے تعلق میں ضروری ہے۔

غالباً ان خواص کی پستی ہی کو محسوس کر کے شیطان نے آدمؑ کے سامنے جھکنے سے انکار کرتے ہوئے کہا تھا

خَلَقْتَنِيْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ	آپ نے مجھ کو آگ سے پیدا کیا اور
طِيْنٍ [3]	اس (انسان) کو مٹی سے پیدا کیا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اجزاء کے خواص اور جسمی و معنوی دونوں صورت میں ان کے اثرات کا ذکر کیا ہے مثلاً آپؐ نے فرمایا:

ان الله خلق آدم من قبضة	بے شک اللہ نے آدم کو مٹھی بھر مٹی
قبضها من جميع الارض فجاء	سے پیدا کیا جس کو زمین کے ہر حصہ سے
بنو آدم على قدر الارض منهم	لیا۔ اسی لحاظ سے سُرخ، سفید، سیاہ
الاحمر والابيض والاسود	اور اس کے درمیان لوگ پیدا ہوئے
وبين ذلك والسهل و	اور اسی لحاظ سے نرم سخت ناقص اور
الحزن والخبيث والطيب [4]	عمدہ لوگ پیدا ہوئے۔

طیب اور خبیث کا استعمال جس طرح اخلاقی و شرعی امور میں ہوتا ہے اسی طرح ان چیزوں میں بھی ہوتا ہے جو مادّی اعتبار سے ناقص یا عمدہ ہوتے ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خواص کی تاریکی و پستی کو اس طرح ظاہر فرمایا

---

[1] سورہ بقرہ آیت ۳۰ [3] سورہ اعراف آیت ۱۲

[2] تفسیر ابنِ عربیؒ بقرہ آیت ۳۰ [4] مسند احمد و ترمذی و ابو داؤد و مشکوٰۃ باب الایمان بالقدر

ان اللہ تعالیٰ خلق خلقتہ — بے شک اللہ نے مخلوق کو تاریکی میں
فی ظلمۃ فالقی علیھم من نورہ[1] — پیدا کیا پھر اس پر اپنا نور ڈالا

جبلّت کی تکوین میں نہ صرف یہ کہ تمام اجزاء کے خواص کو دخل ہے بلکہ جبلّتوں کے باہمی اختلاف میں ان کے ناقص و عمدہ ہونے، کم و زیادہ ہونے قوی و ضعیف ہونے، ایک کے دوسرے پر غالب آنے، ایک کے دوسرے کے مقابلے میں مشتعل ہونے اور نہ معلوم کس کس بات کو دخل ہے۔ قاضی ثناء اللہ کہتے ہیں:

انما اختلاف شھوات النفوس علی حسب اختلاف ثوران بعض العناصر دون بعض و اختلاف طبائع الارض۔[2]

نفوس کی شہوتوں کا اختلاف زمین کی طبیعتوں کے اختلاف کی وجہ سے ہے اور بعض کے مقابلے میں بعض عناصر کے مشتعل ہونے کے لحاظ سے ہے۔

اجزاء کے یہ خواص اور ان سے پیدا شدہ طبعی قوتیں حیوان و انسان کی جبلّت میں مشترک ہیں لیکن انسانی جبلّت کی تکوین میں ایک اور عنصر (جزء) شامل ہے جس کے نور نے طبعی قوتوں میں نوری کرن دوڑائی، ان کو بار آور بنایا اور ان میں وہ خصوصیات بھر دیں جن کی بنا پر انسان خلق آخر (دوسری مخلوق جو حیوان سے بالکل مختلف ہے) میں تبدیل ہو گیا۔

ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ[3] — پھر ہم نے اس کو دوسری مخلوق بنا دیا۔

اس خلق آخر کی تفسیر مفسّرین سے یہ منقول ہے۔

جعلناہ خلقا مباینا للخلق الاول[4] — ہم نے اس کو دوسری مخلوق بنایا جو پہلی مخلوق سے بالکل جدا ہے۔

دوسری جگہ ہے:

اودع کل عضو من اعضائہ عجائب فطرۃ وغرائب حکمۃ لا تحیط بھا وصف الواصفین[5] — اس دوسری مخلوق (انسان) کے ہر عضو میں فطرت و حکمت کے ایسے عجائب و غرائب ودیعت کئے کہ وصف بیان

---

[1] مسند احمد و ترمذی و مشکوٰۃ باب الایمان بالقدر [2] الفخر الرازی تفسیر کبیر المومنون آیت ۱۴
[3] قاضی ثناء اللہ تفسیر مظہری سورہ اسراء آیت ۲۴ [4] ایضاً
[5] سورۂ مومنون آیت ۱۴

کرنے والوں کا کوئی وصف ان کا احاطہ نہیں کر سکتا۔

ایک اور جگہ ہے:

ھذا ھو الانسان ذو الخصائص	یہ ہی انسان ہے جس کی خصوصیتیں حیوان
المتمیزۃ فجنین الانسان	سے جدا ہیں انسان کا جنین اپنے جسمی
یشبہ جنین الحیوان فی	اطوار و تغیرات میں حیوان کے جنین
اطوارہ الجسدیۃ ولکن	کے مشابہ ہے، لیکن انسان کا (جنین)
جنین الانسان ینشأ	دوسری مخلوق بنکر پیدا ہوتا ہے۔
خلقا اٰخر [1]	

جن اجزاء (عناصر) سے طبعی قوتیں وجود میں آتی ہیں ان کی تعداد چار ہو، ایک سو چھ ہو یا اس سے بھی زیادہ تسلیم کر لئے جائیں یہ واقعہ ہے کہ اس اہم عنصر (جس کی وجہ سے انسان انسان کہلاتا ہے) کی دریافت کے لئے ابتدائی کوشش بھی اب تک نہ کی جا سکی لیکن علم و تحقیق کی دنیا سے کبھی مایوس نہ ہونا چاہیئے۔ ماں کے پیٹ میں نشو و نما پانے والا بچہ (جنین) کے جو احوال و تغیرات قرآن حکیم نے چھٹی صدی عیسوی میں بیان کئے ہیں اور ان کے لئے جو تعبیرات (نطفہ، علقہ، مضغہ وغیرہ کی) اختیار کی ہے۔ ان تک رسائی دنیا کو اتنا طویل وقفہ گذرنے کے بعد اب ہو سکی ہے۔ کیا عجب ہے کہ مستقبل قریب یا بعید میں کسی ایسے خارجی عنصر کو تسلیم کرنے پر مجبور ہونا پڑے کہ جس کی آمیزش کے بعد جنین خلق آخر (دوسری مخلوق) میں تبدیل ہوا (جب کہ ابتداء سے حیوان و انسان کے تغیرات و تطورات میں کوئی فرق نہ تھا) اور جس کو تسلیم کئے بغیر انسانی جبلت کی بعض لاینحل گتھیاں سلجھنے کی کوئی شکل نہیں معلوم ہوتی ہے۔

قرآن حکیم نے اس خارجی عنصر کی تعبیر "روح" سے کی ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ روح طبعی نہیں ہو سکتی جو حیوان و انسان میں مشترک ہوتی حتّٰی کہ جرثومۂ حیات و تخم حیات میں بھی موجود ہوتی ہے بلکہ یہ کوئی اور عنصر ہے جس کو "روحِ قدسی" کہنا مناسب ہے اور جو روح طبعی میں حلول کرنے کے بعد تمام طبعی قوتوں میں جاری و ساری ہو جاتی ہے۔ چنانچہ قرآن حکیم نے اس کے جو آثار و مظاہر بیان کئے ہیں ان سے ثابت ہوتا ہے کہ

---

[1] سید محمد قطب فی ظلال القرآن، المومنون آیت ۱۴

دوسرے عناصر کی طرح یہ کوئی معمولی عنصر نہیں ہے بلکہ ایک زبردست "نورانی توانائی" ہے جو انسانی جبلّت میں خارج سے پیوست کر دی گئی اور جس کے بعد ہی انسان ان تمام سرفرازیوں اور صلاحیتوں کا مستحق قرار پایا کہ جن کے بغیر وہ اپنے مقام و منصب کے لائق ترین ہو سکتا تھا۔ مثلاً :

ثُمَّ سَوّٰىهُ وَنَفَخَ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِهٖ وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ [1]	پھر اس کو مکمل کیا اور اس میں اپنی روح پھونکی اور تمہارے لئے کان آنکھیں اور دل بنائے تم بہت ہی تھوڑا شکر کرتے ہو۔

دوسری جگہ ہے :

فَاِذَا سَوَّيْتُهٗ وَنَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِيْنَ [2]	جب میں اس کو مکمل کر لوں اور اس میں اپنی روح پھونکوں تو اس کے سامنے سجدہ میں گر پڑو۔

پہلی آیت میں سمع و بصر اور فؤاد ان تمام خصوصیات کی جامع تعبیر ہے جن کی بدولت ایک صاحب شخصیت ہستی وجود میں آتی ہے اور مختلف قسم کی سرفرازیوں اور صلاحیتوں کی مستحق قرار پاتی ہے۔ یہ تینوں (سمع و بصر، فواد) حیوان و انسان میں مشترک ہوتے ہیں۔ لیکن نورانی توانائی (روح) سے پہلے ان میں کوئی ایسی خصوصیت نہ تھی جو انسان کو ممتاز بنا دے ــــــ!

دوسری آیت میں فرشتوں کو سجدہ کا حکم دیا گیا ہے۔ جس میں تمام وہ زمینی مخلوق شامل ہے جو فرشتوں کی عملداری میں ہے۔ اسی بنا پر شیطان کے انکار کرنے پر اس کی گرفت ہوئی حالانکہ متعیّن طور پر اس کو سجدہ کا حکم مذکور نہیں ہے۔

مذکورہ آیتوں میں اللہ نے روح کو اپنی طرف منسوب کیا ہے جس سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ یہ نورانی توانائی کسی اندرونی تغیّرات و تطوّرات کے حاصل جمع یا کسی میکانکی عمل ارتقاء کا نتیجہ نہیں ہے بلکہ یہ مستقل حیثیت رکھنے والی خارجی شے ہے جو اندر پیوست کی گئی ہے۔ اسی طرح روح کی تعبیر "امرِ ربّ" سے کی گئی ہے۔

---

[1] سورہ سجدہ آیت ۹ [2] سورہ حجر آیت ۲۸ - ۲۹

قُلِ الرُّوحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّی[1] — آپؐ کہہ دیجئے کہ روح میرے رب کے امر سے ہے۔

جس سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ مذکورہ نورانی حقیقت مادّی نہیں، بلکہ ماورائی (غیر مادّی) ہے۔ شیخ محمد اعلیٰ تھانویؒ نے اس سلسلے میں یہ قول نقل کیا ہے۔

الروح الانسانی السماوی من عالم الامر لایدخل تحت المساحة والمقدار والروح الحیوانی البشری من عالم الخلق ای یدخل تحت المساحة والمقدار[2]	روح انسانی سماوی ہے اور عالم امر سے تعلق رکھتی ہے یعنی مقدار اور پیمانہ کے تحت نہیں آتی اور روح حیوانی بشری ہے اور عالم خلق سے تعلق رکھتی ہے یعنی پیمانہ و مقدار کے تحت آتی ہے۔

روحِ قدسی، روحِ طبعی اور جسمِ انسانی تینوں کا تعلق حضرت شاہ ولی اللہؒ نے اس طرح بیان کیا ہے:-

ان البدن مطیة النسمة	بدن (جسم انسانی، روح حیوانی کی سواری ہے۔
ان هذا الروح مطیة للروح الحقیقی	اور روح حیوانی روح حقیقی (قدسی) کی سواری ہے
ولها تعلق خاص بالروح الهوائی اولاً وبالبدن ثانیاً[3]	اس روح قدسی کا پہلا تعلق روحِ حیوانی سے ہوتا ہے۔ پھر اس کے ذریعہ جسمِ انسانی سے ہوتا ہے۔

روح قدسی (نورانی توانائی) نورالٰہی کے عکس سے وجود میں آتی ہے (کہ براہِ راست نور کی شعاعیں برداشت کرنے کی تاب کس میں ہے؟) اور کسی نور کے مخزن میں جمع ہوجاتی ہے پھر وہاں سے اس کی شعاعوں کی فیض رسانی ہوتی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے "مخزن" میں اجتماع کو مرتّب فوج سے تشبیہہ دی ہے۔

---

[1] سورہ اسراء آیت ۸۵ [2] کشاف اصطلاحات الفنون

[3] شاہ ولی اللہ حجۃ اللہ البالغہ باب حقیقۃ الرّوح

غالباً اس سے ان کی اقدامی کیفیت کی طرف اشارہ ہے۔ آپؐ نے فرمایا:

الارواح جنود مجندہ [1] روحوں کی ایک مرتب فوج ہے۔

شاہ ولی اللہ نے نفس ناطقہ کی بحث عکس ہی کی بنیاد پر کی ہے کہ براہِ راست نوری کرنوں کا اقدام نامیاتی لہروں پر ناقابلِ برداشت ہوتا ہے۔

نورانی توانائی (روحِ قدسی) کی شعاعیں خصوصیتوں اور صلاحیتوں کے لحاظ سے بے شمار حصّوں میں منقسم ہیں۔ ادھر طبعی قوتیں بھی اپنے خواص و اثرات کے لحاظ سے مختلف گروپ میں تقسیم ہیں جن کے لحاظ سے دونوں کے درمیان جذب و کشش کی باہمی مناسبتیں قائم کر دی گئی ہیں۔ فیض رسانی اور فیض قبول کرنے میں جس کو جس کے ساتھ مناسبت ہوتی ہے اس کا امتزاج اس کے ساتھ کر دیا جاتا ہے۔ یعنی شعاعوں کی خصوصیتیں اور صلاحیتیں طبعی قوتوں کے انہیں خواص و اثرات میں اپنا جلوہ دکھاتی اور اپنی قوتِ کار کا اظہار کرتی ہیں جن کا ظرف متحمل ہوتا ہے اور ظرف کا پتہ ان مناسبتوں سے چلتا ہے جو دونوں کے درمیان قائم کی جاتی ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث میں غالباً مناسبتوں کی طرف اشارہ ہے۔

فما تعارف منها ائتلف وما تناکر منها اختلف (روحوں کی مرتب فوج ہے) ان میں سے جو مناسبت رکھتی ہیں وہ مانوس ہو جاتی ہیں اور جو مناسبت نہیں رکھتیں وہ مانوس نہیں ہوتی ہیں۔

محدثین نے اس حدیث سے ایک انسان کی دوسرے انسان کے ساتھ محبت و دوستی کی بنیاد روحوں کی مناسبت قرار دی ہے کہ جن روحوں میں مناسبت ہوتی ہے، انہیں میں محبت و دوستی قائم ہوتی ہے اور جن میں مناسبت نہیں ہوتی ان کے درمیان نہیں قائم ہوتی۔ یہ بھی اس حدیث کے مفہوم کا ایک پہلو ہے لیکن جس طرح یہ مناسبت دو روحوں کے درمیان ہوتی ہے، اسی طرح روح اور طبعی قوتوں کے درمیان بھی ہوتی ہے۔

مذکورہ مناسبت کو کسی درجہ میں سورج کی شعاعوں سے سمجھا جا سکتا ہے کہ ہر روشنی (جو دیکھی جا سکتی ہے) کے سات جزء ہوتے ہیں اور ساتوں (بنفشی، نیلا، آسمانی، سبز، زرد، نارنجی، سُرخ) رنگ اپنی خصوصیت و صلاحیت کے لحاظ سے مختلف ہوتے ہیں

---

[1] بخاری و مسلم (مشکوٰۃ الفصل الاوّل باب الحب فی اللہ و من اللہ)

لیکن سُرخ رنگ میں خصوصیت وصلاحیت زیادہ ہوتی ہے۔ ہری پتّی پر جب روشنی پڑتی ہے تو اس میں ہر رنگ کی ہوتی ہے۔ لیکن روشنی کا ہر جزو (رنگ) اپنی کارکردگی کے اظہار میں جذب وکشش کی اس مناسبت کو ملحوظ رکھتا ہے جو پانی ونمکیات (کاربن ڈائی آکسائیڈ) کے اجزاء میں ہوتی اور جس کے ذریعہ ہر ذی روح کی غذا کا قدرتی انتظام ہے۔ اسی طرح نوری توانائی (روح) کی روشنی سب پر پڑتی ہے لیکن نوری کرنوں اور نامیاتی لہروں میں ایک مناسبت قائم کردی گئی ہے جس کے لحاظ ہی سے کرنیں لہروں کو فیض پہنچاتی اور وہ اس کو قبول کرتی ہیں۔ پھر نوری توانائی ہی کا ایک اہم حصّہ وہ معلوم ہوتا ہے جو نورِ فطرت کہلاتا ہے اور جس کی خصوصیت وصلاحیّت زیادہ ہوتی اور اس میں عمومیت پائی جاتی ہے۔ چنانچہ نورِ فطرت کی کارگذاری طبعی قوّتوں میں کسی ایک قوّت کے ساتھ محدود نہیں رہتی بلکہ تمام طبعی قوتیں اس سے مستفید ہوکر ہی اپنی مناسب نوری کرنوں سے فیض یاب ہونے کا جواز مہیا کرتی ہیں۔ یہ گویا زمین ہموار کرتا، فضا کو سازگار بناتا، مناسبت کی جانچ کرتا اور پھر دوسری کرنوں کو دعوت دیتا ہے کہ اب وہ آکر اپنا جلوہ دکھائیں اور اپنی قوّت کا مظاہرہ کریں۔ بس یہیں سے مختلف لوگوں کی خصوصیتوں اور صلاحیتوں میں تفاوت ہوتا اور ہر ایک اپنے اپنے دائرہ میں کارہائے نمایاں انجام دیتا ہے۔

(باقی آئندہ)

OOOOOOOOOO

عن عثمانؓ قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم

خيركم من تعلم القرآن وعلمه

حضرت عثمانؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔
تم میں سے بہترین وہ ہے جو (خود) قرآن سیکھے اور (دوسروں) کو سکھائے

سیرۃ الخلیل
باب اوّل عنوان خامس

قدرت کا جوشِ رحمت یا اتمامِ حجّت (۲)

مولانا الطاف الرحمٰن بنوی

اعیان کی بابت قدرت کی عادتِ عامہ چونکہ مشاہد و محسوس ہے اور اسی وجہ سے مانوس بھی، چنانچہ اس سلسلے میں ہمیں کوئی تعجب لاحق نہیں ہوتا لیکن جونہی ان کے بارے میں قدرت کی عادتِ خاصہ اپنا عمل دکھاجاتی ہے حیرت اور وحشت و دہشت کی اندھیریاں ہم کو گھیر لیتی ہیں اور سوچ بچار کی پرانی ہیئتیں بدل بدل کر نئے نئے سانچوں میں ڈھلنے لگتی ہیں لیکن اس کے برعکس اعراض —— انسان کے اعمالِ اختیاریہ بالخصوص معاصی —— میں اولاً تو قدرت کی عادتِ عامہ —— ان کے طبعی مسبّبات کا ترتّب —— اپنی مصلحت انگیز سست روی کی بنا پر اس حد تک غیر محسوس ہوتی ہے کہ اکثر و بیشتر معمولات کو غیر متعلقہ یا نیم متعلقہ عوامل کی جانب منسوب کیا جانے لگتا ہے۔ ثانیاً وَرَحْمَتِيْ وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ اور " ان رحمتی سبقت غضبی " کے تحت ان میں قدرت کی عادتِ خاصہ کا ظہور بھی اس کثرت سے ہوتا رہتا ہے کہ کبھی کبھی تو اس پر عادتِ عامہ اور عادتِ عامہ پر عادتِ خاصہ کا گمان ہونے لگتا ہے[1]

---

[1] نتائج اعمال کے سلسلے میں ہماری اس پوری بحث کو پڑھ اور سمجھ لینے کے بعد اسی مسئلے سے متعلق مولانا مودودی مرحوم کی اس تحریر کے مندرجہ ذیل اقتباسات بھی پڑھ اور سمجھ لیجئے جو انہوں نے ۲۴ فروری ۱۹۴۱ء کو مجلس اسلامیات اسلامیہ کالج پشاور کی دعوت پر " اسلام اور جاہلیت " کے عنوان سے ایک مقالے کی صورت میں پڑھی تھی تو جزا و سزا اور تخلفِ نتائج عن الاعمال کی بابت ان کی اختیار کردہ توجیہہ کافی حد تک کھلنے لگے گی۔ مولانا فرماتے ہیں۔

" اس کے بعد پیغمبر ہمیں بتاتے ہیں کہ دنیاوی زندگی چونکہ امتحان کی مہلت ہے لہٰذا یہاں

بہرحال اعیان ہوں یا اعراض دونوں جگہوں میں قدرت کی عادت خاصہ اس کے جوشِ رحمت کے نتیجے یا اتمامِ حجت کی آخری کارروائی کے طور پر ظاہر ہوتی ہے۔ اعیان پر اس کا اصطلاحی نام معجزہ ہے جس کا ظہور ہر خاص و عام کو وہ ضروری اطمینان فراہم کر دیتا ہے

(تسلسل) نہ حساب ہے نہ جزا و سزا"

حیرت ہوتی ہے کہ وعدہ و وعید سے متعلق قرآن کریم کی ان بے شمار آیات کے ہوتے ہوئے جن میں رب تعالیٰ نے کبھی انبیاء علیہم الصلوٰۃ کی زبانی اور کبھی اپنی طرف سے اُخروی جزا و سزا کے ساتھ ساتھ ترغیب و ترہیب کے سلسلے میں دنیاوی جزا و سزا کا بھی برابر ذکر فرمایا ہے۔ مولانا نے پیغمبروں کی جانب اس اطلاقی انداز میں یہ بات کیونکر منسوب کر دی ہے۔ مندرجہ ذیل آیات ملاحظہ فرمائیں۔

وَيٰقَوْمِ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْا اِلَيْهِ يُرْسِلِ السَّمَاۗءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا وَّيَزِدْكُمْ قُوَّةً اِلٰى قُوَّتِكُمْ وَلَا تَتَوَلَّوْا مُجْرِمِيْنَ ۝ (سورۂ ہود آیت ۵۲)

(حضرت ہودؑ نے فرمایا) اور اے میری قوم والو اپنے گناہ معاف کراؤ پھر اس کی طرف متوجہ رہو۔ وہ تم پر خوب بارشیں برسائے گا اور تم کو اور قوت دے کر تمہاری قوت میں ترقی کر دیگا اور مجرم ہو کر روگردانی مت کرتے رہو۔

فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا صَرْصَرًا فِيْٓ اَيَّامٍ نَّحِسَاتٍ لِّنُذِيْقَهُمْ عَذَابَ الْخِزْيِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۭ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَخْزٰى وَهُمْ لَا يُنْصَرُوْنَ ۝ (سورۃ حٰمٓ السجدۃ آیت ۱۶)

ہم نے ان (قوم عاد) پر تیز آندھی بھیجی ایسے دنوں میں جو (ان کے حق میں) منحوس تھے تاکہ ہم انہیں (اسی) دنیوی زندگی میں عذاب رسوائی کا مزا چکھا دیں اور عذاب آخرت تو رسوا تر ہوگا اور انہیں کوئی مدد نہ پہنچ سکے گی۔

پھر مجرمین کے بارے میں اللہ تعالیٰ کے اس واضح اور زوردار اعلان

وَلَنُذِيْقَنَّهُمْ مِّنَ الْعَذَابِ الْاَدْنٰى دُوْنَ الْعَذَابِ الْاَكْبَرِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ۝ (سورہ سجدہ آیت ۲۱)

ہم لوگوں کو تھوڑا سا عذاب قریب دنیا میں چکھا دیتے ہیں۔ آخرت کے بڑے عذاب سے پہلے تاکہ وہ برائیوں سے باز آجائیں

سے تو یہ حیرت اَضْعَافًا مُّضٰعَفَۃً ہو جاتی ہے

اس سلسلے میں اگر اعمال کے دنیاوی نتائج کی نشان دہی میں کسی غلط فہمی کی وجہ سے یہ غلطی ہوتی ہے

(باقی اگلے صفحہ پر)

جس کے بعد اقرار و انکار کے مختلف رویّے برتنے والوں کے ساتھ ان کے مناسب حال
کوئی معاملہ کرنے میں عدل کا کوئی پہلو تشنہ باقی نہیں رہتا اور اعراض ـــــــ انسانی
گناہوں ـــــــ میں قرآنی ارشاد

(تسلسل) کے ازالے کے لئے مولانا کے پسندیدہ اور محبوب ترین اور ان کے خیال میں امت کے انتہائی نکتہ رس عالم امام ابن تیمیہؒ کی ایک عبارت نقل کرنا کافی ہوگا

وقد قيل ان قوله وَلَهُمْ عَذَابٌ	اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ وَلَهُمْ عَذَابٌ
مُّقِيمٌ اشارة الى ما هو لازم لهم	مُّقِيمٌ میں غم، پریشانی، سختی اور سیاہیٔ
فى الدنيا والآخرة من الآلام النفسيه	قلب اور جہل جیسے ان نفسیاتی تکالیف کی
غما وحزنا وقسوةً وظلمة قلب	طرف اشارہ ہے جو دنیا و آخرت میں ان کا
وجهلاً فان للكفر والمعاصى	پیچھا نہیں چھوڑتیں کیونکہ کفر اور گناہوں کی
من الآلام العاجلة الدائمة ما	نقد اتنی بے شمار دائمی سزائیں ہیں جن کو خدا
الله به عليم ولهذا تجد غالب	ہی بہتر جانتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کفار و
هؤلاء لا يطيبون عيشهم الا بما	فسّاق کی اکثریت انہیں چیزوں سے اپنی زندگی
يزيل عقولهم ويلهى قلوبهم من	کو خوشگوار بنانے کی کوشش کرتے ہیں جو
تناول مسكرٍ ورؤية ملهٍ او	ان کی عقلوں کو زائل اور دلوں کو مزید غافل
سماع مطربٍ ونحو ذٰلك	کر دے، مثلاً نشہ کا استعمال، کھیل تماشوں کا
وبازاء ذٰلك قوله فى المؤمنين	دیکھنا اور ساز و نغمہ کا سننا وغیرہ۔
أُولٰئِكَ سَيَرْحَمُهُمُ اللّٰهُ فان	اور اسی کے مقابلے میں مؤمنین کے بارے
الله يعجل للمؤمنين من الرحمة	خدا تعالیٰ کا یہ ارشاد کہ سَيَرْحَمُهُمُ اللّٰه
فى قلوبهم وغيرها بما يجدونه	کیونکہ اللہ تعالیٰ جلد ہی مؤمنین کے دلوں
من حلاوة الايمان ويذوقونه	میں رحمت کا فیضان فرماتے ہیں جس کے
من طعمه وانشراح صدورهم	آثار ایمان کی حلاوت کی صورت میں دیکھے
للاسلام الى غير ذٰلك من السرور	جا سکتے ہیں جس کی لذت اور اسلام کے لئے ان
بالايمان والعلم النافع والعمل	کی شرح صدر وغیرہ جیسے سرور بالایمان علم نافع

وَاِنْ اَدْرِیْ لَعَلَّهٗ فِتْنَةٌ لَّكُمْ وَمَتَاعٌ اِلٰى حِیْنٍ ۝ (سورۃ انبیاء آیت ۱۱۱)	اور میں نہیں جانتا شاید تاخیر میں تم کو جانچنا ہے یا فائدہ دینا ہے ایک وقت تک ــــــ

الصالح بما لا یمکن وصفہ (اقتضاء الصراط المستقیم)	عمل صالح اور ان جیسی دوسری کیفیات جن کا بیان ممکن نہیں سے لطف اندوز ہوتے رہتے ہیں ۔

اس کے بعد مذکورہ لسدر متن پر ایک حاشئے میں ارقام فرماتے ہیں :

" اس سلسلے میں یہ بات اچھی طرح ذہن نشین کرلینی چاہیئے کہ یہ عالم جس میں ہم اس وقت ہیں عالم طبیعی ہے نہ کہ عالم اخلاقی ' جن قوانین پر کائنات کا موجودہ نظام چل رہا ہے وہ اخلاقی قوانین نہیں ہیں بلکہ طبیعی قوانین ہیں اس لئے موجودہ نظام کائنات میں اعمال کے اخلاقی نتائج پوری طرح مرتب نہیں ہو سکتے ۔ وہ اگر مرتب ہوسکتے ہیں تو صرف اسی حد تک جس حد تک کہ قوانین طبیعی ان کو مرتب ہونے کا موقع دیں ورنہ جہاں قوانین طبیعی ان کے ظہور کے لئے سازگار نہ ہوں وہاں ان کا ظاہر ہونا محال ہے ۔ مثال کے طور پر اگر کوئی شخص کسی کو قتل کر دے تو اس فعل کے اخلاقی نتیجے کا مرتب ہونا موقوف ہے اس امر پر کہ قوانین طبیعی اس کے سراغ لگنے اور اس کے اوپر جرم ثابت ہونے اور اس پر اخلاقی سزا کے نافذ ہونے میں مددگار ہوں اگر وہ مددگار نہ ہوں تو کوئی اخلاقی نتیجہ سرے سے مرتب ہوگا ہی نہیں اور اگر وہ سازگاری کر بھی لیں تب بھی اس فعل کے پورے اخلاقی نتائج مرتب نہ ہوسکیں گے کیونکہ مقتول کے عوض قاتل کا محض قتل کیا جانا اس فعل کا پورا اخلاقی نتیجہ نہیں ہے جس کا اس نے ارتکاب کیا تھا اس لئے یہ دنیا دار الجزاء نہیں ہے اور نہ ہی ہوسکتی ہے ۔ دار الجزاء ہونے کے لئے ایک ایسا نظام عالم درکار ہے جس میں موجودہ نظام عالم کے برعکس حکمران قوانین اخلاقی ہوں اور قوانین طبیعی محض ان کے خادم کی حیثیت رکھتے ہوں ۔"

اس سیاق و سباق میں قوانین طبیعی و اخلاقی کی تفریق و تقسیم اور پھر یہاں اول الذکر اور وہاں ثانی الذکر کی حکمرانی کی بات غالباً دنیا و آخرت کی اس شدت ارتباط سے ذہول کا نتیجہ ہے (باقی اگلے صفحہ پر

کے بموجب اس کی وجہ سے امتحان و آزمائش کے مزید وہ مواقع پیدا کئے جاتے ہیں جس میں نفس کے زبردست تقاضے لذات میں منہمک ہو جانے کی ترغیب دیتے ہیں اور انبیاء علیہم السلوٰۃ اور ان کے جانشین دعوت و تبلیغ کے ذریعے کجروی کی بدانجامی سے آگاہ کرتے اور ڈراتے

(تسلسل) جس کا بیان دوسرے علماءِ اسرار کی کتابوں کی طرح خود مولانا کی تحریرات میں بھی غالباً کہیں پر میری نظر سے گزرا ہے۔ دراصل یہ دونوں عالم ایک ایسی وحدت کے دو حصے ہیں جن کے سارے کل پرزے ایک دوسرے میں اس ہنر سے جڑے ہوئے ہیں کہ کسی ایک پرزے کی کوئی ادنیٰ سے ادنیٰ جنبش پورے کل میں اسی نوعیت کی حرکت پیدا کرتا ہے۔

جدید تحقیقات نے ثابت کر دیا ہے کہ پورے زمین اور کرۂ آب کو اپنی لپیٹ میں لینے والی بہت وسیع ہوائی کرّے کے کسی ایک حصے میں جہاں کہیں معمولی سا جھٹکا لگنے سے تھوڑی سی تموّج پیدا ہو اس کے چاروں طرف لاکھوں میل کی مسافت پر واقع دور دراز کے تمام حصوں میں اسی قسم کا ارتعاش پیدا ہو جاتا ہے یہ بات ہمارے لئے کتنی نظری کیوں نہ ہو لیکن ریڈیائی آلات کی کارکردگی نے یقین کر لینے کا وہ ماحول پیدا کر دیا ہے جس میں انکار یا تردّد کی کوئی گنجائش باقی نہیں ہے بعینہٖ اسی طرح ہمارا معمولی سے معمولی عمل بھی دنیا اور اس سے بھی گزر کر آخرت کی فضاؤں میں اپنا طبعی اثر دکھاتا ہے اور اگرچہ ہمارے حواس بلکہ عقل کی گرفت میں بھی یہ بات نہ آئے تاہم تقویٰ داری اور اہلِ تقویٰ کی کشش برداری سے وہ وجدانی اطمینان حاصل کیا جا سکتا ہے جس کو مجوبین کا کوئی شبہ متاثر نہیں کر سکتا۔ عالمِ دنیا میں طبیعی اور عالمِ آخرت میں اخلاقی قوانین کی حکمرانی کی بات تو نہ صرف دعویٰ بلا دلیل بلکہ خلافِ دلیل بھی ہے۔ قرآنی ارشادات

لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ	اسے ملے گا وہی جو کچھ اس نے کمایا اور
(بقرہ آیت ۲۸۶)	اس پر پڑے گا وہی جو کچھ اس نے کمایا۔
يَوْمَ تَجِدُ كُلُّ نَفْسٍ مَا عَمِلَتْ	جس روز ہر شخص اپنے ہر نیک عمل کو سامنے
مِنْ خَيْرٍ مُّحْضَرًا وَمَا عَمِلَتْ	لایا ہوا پائے گا اور اسی طرح ہر بُرے
مِنْ سُوْءٍ ۚ (آل عمران آیت ۳۰)	کام کو بھی۔
وَوَجَدُوْا مَا عَمِلُوْا حَاضِرًا ۗ	اور انہوں نے جو کچھ بھی کیا تھا اسے موجود
(الکہف آیت ۴۹)	پائیں گے۔

میں لفظ "مَا" کے انداز استعمال سے جہاں اس بات پر کافی روشنی پڑتی ہے کہ اعمالنامہ ایک

رہتے ہیں۔ حق و باطل کی اس کشمکش میں جو لوگ ـــــ ابتداءً نہ سہی ـــــ قدرت کی طے کردہ مہلت کی میعاد ختم ہونے سے پہلے ـــــ تاخیر سے بھی ـــــ ایمان لے آتے ہیں اور گناہوں کے بعد والی سازگار زندگی میں اپنا رویّہ درست کر لیتے ہیں۔ بلاشبہ ان کے حق میں تو قدرت کی

(تسلسل) ایسے آئینے یا جدید اصطلاح میں اس فلمی اسکرین کی طرح ہوگا جس میں دنیاوی اعمال کو انکی تمام تر ہیئات اور کیفیات کے ساتھ دیکھا جا سکے گا لہٰذا ان بحثوں کی کوئی ضرورت باقی نہیں رہی ہے کہ اعمالنامہ کس زبان میں مرتب ہوا ہوگا اور مختلف اللّغات تمام انسانوں کے لئے اس کو یکساں طور پر پڑھ اور سمجھ لینے کی کیا صورت ہوگی اسی طرح سے یہ بات بھی معلوم ہو گئی کہ قیامت میں جو کچھ بھی پیش آئے گا وہ دنیاوی اعمال کا متشکل طبعی نتیجہ ہوگا اور اگرچہ ان اُخروی نتائج کی کمیت و کیفیت کے بارے میں انبیاء علیہم الصلوٰات والتسلیمات کی مبیّنہ تفصیلات ہمارے لئے انتہائی حیران کن کیوں نہ ہوں، محالات و ناممکنات میں سے ہرگز نہیں کہ بقول امام ابن تیمیہؒ:

ان الانبیاء یخبرون بمحارات العقول لا بمحالاتها	انبیاء صلوٰات اللہ علیہم اجمعین کی خبر دی ہوئی باتیں حیران کن تو ہوتی ہیں، محال ہرگز نہیں ہوتیں۔
(موافقۃ صحیح المنقول لصریح المعقول)	

اور یہ حیرت بھی محض عالم آخرت اور اس کی تفصیلات اور عالم دنیا سے اس کے ارتباط کے خفی ہونے کی وجہ سے ہے ورنہ تو پیپل اور بڑ کے ذرۂ بے مقدار تخمی حبّات سے ان کے فضا کو بھر دینے والے بڑے بڑے درختوں کا پیدا ہو جانا اس سے کم حیرت زا ہرگز نہیں۔ لیکن روئیدگی کے تمام درجات کے نوبت بہ نوبت مشاہدے اور اس عمل کے بار بار اعادے سے ـــــ تخلیقی پیچیدگیاں اپنی جگہ ـــــ اس واقع میں کسی کے لئے بھی حیرت کی کوئی بات پائی نہیں جاتی۔ اسی سلسلہ میں نبی علیہ السلام کا یہ ارشاد گرامی بھی ملاحظہ ہو۔

الدنیا مزرعۃ الآخرۃ	دنیا آخرت کی کھیتی ہے۔

یعنی یہاں جو چیز کاشت کی جائے گی وہاں وہی چیز کاٹی جائے گی۔ اس تمثیل کا حاصل یہ ہے کہ اگر کسی بھی فصل کی کٹائی اس کی کاشت کا فطری ثمرہ ہے اور یقیناً ہے تو آخرت کی کوئی بھی حالت دنیاوی سیرت و کردار کا طبعی نتیجہ ہے۔ اخلاقی (شرعی) پابندیاں اعمال کے ان دور رس طبعی تقاضوں سے بالکل الگ مستقل کوئی حقیقت نہیں رکھتیں جن سے صاحب عمل (باقی اگلے صفحہ پر)

عادتِ خاصہ وفورِ رحمت اور سعادت کا پیغام ثابت ہوتی ہے اور جو لوگ اوّل تا آخر اپنی خواہشات پر غلبہ حاصل کرنے میں ناکام رہتے ہیں۔ عادتِ خاصہ اتمامِ حجت کرا کر ان کی ہلاکت اور بربادی کے راستے کھول دیتی ہے۔

(تسلسل) کے مستقبل کا تانا بانا تیار ہوتا ہے' اخلاقیات (شرعیات) کی بلند و بالا عمارت طبیعیات کا سیمنٹ مسالہ لگا کر تعمیر کی گئی ہے مذکورہ تقسیم و تقابل سے اس سیمنٹ مسالے کو کھرچ لو گے تو اخلاق کی فقط دیواروں میں دراڑیں ہی نہیں پڑیں گی بلکہ آن کی آن میں ان کی پوری عمارت زمین بوس ہو جائے گی۔ خدانخواستہ ہمارے اس بیان سے کسی کو ہماری بے دینی اور بدعقیدگی کا شبہ پیدا ہو کہ اخلاقیات کو طبیعیات کا تابع بنانا تو آج کل کے ان مادہ پرست ملحدین کا عقیدہ ہے جو سرے سے کسی ایسی اخلاقی قدر کو سرے سے تسلیم ہی نہیں کرتے جس کے نتیجے میں کوئی خیر و بھلائی نہ ہو۔ بلاشبہ'

وَلَهُ الْكِبْرِيَاءُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ	اسی کے لئے ہے بڑائی آسمانوں اور
وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝	زمین میں اور وہی غلبے اور حکمت والا ہے

(حاشیہ آیت ۳۷)

اور ان جیسی دوسری آیات کی بنا پر جن سے ثابت ہوتا ہے کہ رب تعالیٰ اپنے غلبے اور قدرت کو انتہائی حکمت کے ساتھ روبکار لاتے ہیں'

ہمارا بھی یہی عقیدہ ہے لیکن خیر و بھلائی کے ساتھ ایک مفرد لفظ "حقیقی" کا اضافہ کر کے۔ اس حقیقی خیر و بھلائی کے حدود کیا ہیں! ہمارے عقیدے کی رُو سے دونوں جہانوں کی وسعتیں اس میں سموئی ہوئی ہیں یہی وجہ ہے کہ اس کی صحیح صحیح اطلاع مہربان خدا کے بھیجے ہوئے سچے انبیاء علیہم الصلوٰات ہی دے سکتے ہیں۔ یہیں سے ہمارے اور مادیین کے عقیدے کا فرق ظاہر ہو گیا کہ ان کے ہاں دنیا کی مادی اور وہ بھی ان کی اپنی شخصی یا حد سے حد قومی ظاہری منفعت ہی خیر و بھلائی ہے اور اسی کو حاصل کرنے کا طریقہ کار سب سے اونچا اخلاقی معیار اور ہمارے ہاں ساری انسانیت کی دنیا و آخرت کی مجموعی سرفرازیاں بھلائی ہیں اور وہی خلاصۂ حیات اخلاقی کہلائے جانے کا مستحق ہے جس کے ذریعے ان تک رسائی ممکن ہو۔

اس مقام پر وہ آیات و احادیث بڑی تشویش پیدا کرتے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ جنت میں داخلہ ہو یا دوزخ سے نجات دونوں محض فضل و رحمتِ خداوندی کا کرشمہ ہیں اعمال کا اس میں کوئی دخل نہیں ملاحظہ ہو:-

وَرَبُّكَ الْغَفُوْرُ ذُو الرَّحْمَةِ لَوْ يُؤَاخِذُهُمْ بِمَا كَسَبُوْا لَعَجَّلَ لَهُمُ الْعَذَابَ ط بَلْ لَهُمْ مَّوْعِدٌ	اور آپ کا پروردگار بڑا مغفرت کرنیوالا بڑا رحمت والا ہے وہ اگر ان پر داروگیر ان کی اعمال کی بنا پر کرنے لگتا تو ان پر عذاب

(تسلسل) سَابِقُوْا إِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا كَعَرْضِ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ لا أُعِدَّتْ لِلَّذِيْنَ آمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ ط ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاءُ ط وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ○ (الحدید)	دوڑو اپنے پروردگار کی مغفرت اور اس جنت کیطرف جس کی وسعت آسمان و زمین کی وسعت کی سی ہے۔ تیار کی گئی ہے ان لوگوں کے لئے جو اللہ اور اس کے پیغمبروں پر ایمان رکھتے ہیں۔ یہ اللہ کا فضل ہے وہ اپنا فضل جسے چاہے عطا کرے اور اللہ ہی بڑے فضل والا ہے۔
لا یدخل احدا منکم عملہ الجنۃ ولا یجیرہ من النار ولا انا الا برحمۃ اللہ (مشکوٰۃ باب الاستغفار والتوبہ)	تم میں سے کسی کا عمل اس کو جنت میں داخل نہیں کرسکتا اور نہ ہی اس کو آگ سے بچاسکتا ہے اور یہی حال میرا بھی ہے مگر اللہ تعالیٰ کی رحمت سے۔

لہٰذا آگے بڑھنے سے پہلے اس تشویش کا ازالہ بہت ضروری ہے، یہ تشویش دراصل اس تسامح کی پیداوار ہے جو فضل و رحمت کے اطلاقات میں اکثر و بیشتر ہم سے سرزد ہوتی ہے۔ ہمارے محاورے میں یہ الفاظ ایسی حالت کی تعبیر کے لئے استعمال ہوتے ہیں جس میں کوئی چیز کسی کسب و عمل کے بغیر یونہی ہاتھ آئی ہو اور جو چیزیں کسب و عمل سے حاصل ہوئی ہوں ان میں یہ الفاظ شاذ و نادر ہی استعمال ہوتے ہیں۔ اس تسامح سے قطع نظر ہماری سنجیدہ گفتگو میں بھی اور شریعت کی اصطلاح میں بھی یہ دونوں لفظ دونوں صورتوں میں یکساں طور پر بولے جاتے ہیں، ملاحظہ ہو قرآنی آیات:

وَإِذَا أَذَقْنَا النَّاسَ رَحْمَةً فَرِحُوْا بِهَا (سورۃ روم آیت ۳۶)	اور ہم جب لوگوں کو کچھ عنایت کا مزہ چکھا دیتے ہیں تو وہ اس سے خوش ہو جاتے ہیں
وَآخَرُوْنَ يَضْرِبُوْنَ فِي الْأَرْضِ يَبْتَغُوْنَ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ۔ (سورۃ مزمل آیت ۲۰)	اور بعض سفر کریں گے ملک میں اللہ کی روزی کی تلاش میں۔

لَنْ يَّجِدُوْا مِنْ دُوْنِهٖ مَوْئِلًا ٥
(سورہ الکہف آیت ۵۸)

فوراً ہی واقع کر دیتا لیکن اس نے ان کے واسطے ایک متعین وقت ٹھہرا رکھا ہے اس کے ادھر یہ کوئی پناہ گاہ نہیں پا سکتے۔

ان اور ایسی ہی دوسری آیات میں صحت، اولاد اور بالخصوص معاشی فراخی اور وسعت پر رحمت کا اطلاق ہوا ہے، حالانکہ یہ ساری چیزیں اکثر و بیشتر ان کے مناسب حال طبعی اسباب کے ارتکاب کے بعد ہی حاصل ہوتی ہیں، اسی طرح سے تجارتی سفر، نافع کمانے کا طبعی سبب ہے لیکن اس قسم کے دوڑ دھوپ پر حاصل کئے ہوئے نفع کو فضل اللہ بتایا گیا معلوم ہوا کہ یہ الفاظ غیر سببی امور کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ اسباب سے حاصل کئے ہوئے نتائج پر بھی بولے جاتے ہیں، اس سے بھی بڑھ کر بعض قرآنی آیات میں تو یہ صراحت بھی موجود ہے کہ رحمت الٰہی کی توقع درست ہی جب ہے جبکہ اسباب ضروریہ کی تیاری و تحصیل کے بعد رکھی جائے۔ اس کے لئے مثال کے طور مندرجہ ذیل آیت تلاوت فرمائیے!

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ
هَاجَرُوْا وَجَاهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ
اُولٰٓئِكَ يَرْجُوْنَ رَحْمَتَ اللّٰهِ ؕ
وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ٥
(سورۃ بقرہ آیت ۲۱۸)

بے شک جو لوگ ایمان لائے اور جنہوں نے ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں جہاد کیا تو یہی لوگ اللہ کی رحمت کی امید رکھیں گے اور اللہ بڑا بخشنے والا ہے اور بڑا مہربان ہے۔

اور نبی علیہ السلام نے تو ایسے شخص کو بڑا نادان اور ناتوان بتایا ہے جو ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھا ہو اور عمل کے بغیر رحمت کی امید رکھتا ہو۔

الکیس من دان نفسہ وعمل
لما بعد الموت والعاجز من اتبع
نفسہ ھواھا و تمنی علی اللہ
(ترمذی و ابن ماجہ)

ہوشیار اور توانا ہے وہ جو اپنے نفس کو قابو میں رکھے اور موت کے بعد کے لئے عمل کرے اور نادان و ناتوان وہ ہے جو اپنے کو اپنی خواہشات نفس کا تابع کر دے اور اللہ تعالیٰ سے امیدیں باندھے۔

لہٰذا جنت کے حصول اور دوزخ سے نجات کو فضل و رحمت قرار دینے اور دونوں کا انسانی عمل سے متعلق ہونے میں نہ صرف یہ کہ کوئی منافات نہیں بلکہ اس کو مانے بغیر چارۂ کار ہی نہیں۔

وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ	اور اگر تم پر اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم نہ ہوتا دنیا
فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ لَمَسَّكُمْ	میں (بھی) اور آخرت میں (بھی) تو جس
فِيْمَا اَفَضْتُمْ فِيْهِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ	شغل میں تم پڑے تھے اس میں تم پر سخت
(سورۃ النور آیت ۱۴)	عذاب واقع ہوتا۔

اس تشویش کو ایک دوسرے طریقے پر بھی ختم کیا جا سکتا ہے اور وہ یہ کہ ثمرات و نتائج اسباب کے جس طویل سلسلے پر مرتب ہوتے ہیں انسانی عمل اس سلسلے کی بالکل ابتدائی کڑی ہوتی ہے۔ عمل کے علاوہ باقی ساری کڑیاں اس کے قصد و اختیار سے یکسر خارج ہیں ان کا ایجاد و اعدام محض مشیتِ الٰہی پر موقوف ہوتا ہے۔ اس حقیقت کے پیشِ نظر بارہا قدرت نتائج کو علی الاطلاق اپنی طرف منسوب کر دیتی ہے۔ ملاحظہ ہو قرآنی آیات:

اَفَرَءَيْتُمْ مَّا تُمْنُوْنَ ۝ ءَاَنْتُمْ	اچھا یہ تو بتاؤ کہ تم جو منی ٹپکاتے ہو تو آدمی
تَخْلُقُوْنَهٗٓ اَمْ نَحْنُ الْخٰلِقُوْنَ ۝	تم بناتے ہو یا (اس کے) بنانے والے
(واقعہ آیات ۵۸، ۵۹)	ہم ہیں۔
اَفَرَءَيْتُمْ مَّا تَحْرُثُوْنَ ۝ ءَاَنْتُمْ	اچھا پھر یہ بتاؤ کہ جو کچھ تم بوتے ہو اُسے تم
تَزْرَعُوْنَهٗٓ اَمْ نَحْنُ الزّٰرِعُوْنَ ۝	اگاتے ہو یا (اس کے) اگانے والے
(واقعہ آیات ۶۳، ۶۴)	ہم ہیں۔

جن میں ان نتائج کو بھی اللہ تعالیٰ کا فعل قرار دیا گیا ہے جن کا ہمارے اپنے اعمال پر مرتب ہونا ہمارے آئے روز کا مشاہدہ ہے۔ اسی طرح سے باوجود اعمال پر مرتب ہونے کے اگر جنت کے حصول اور دوزخ سے نجات کو فضل و رحمت ——— خدائی فعل ——— قرار دیا گیا ہو تو اس میں تشویش کی کونسی بات ہے۔

البتہ اس جواب کی کوکھ سے ایک اور سوال برآمد ہوتا ہے جو خلجان پیدا کرنے میں پہلے سوال سے کسی طرح بھی کم نہیں اور وہ یہ کہ اگر واقعی اعمال از خود نتائج پیدا کرنے کے لئے کافی نہیں جب تک مشیتِ الٰہی سلسلۂ اسباب کی دوسری کڑیوں کو بھی وجود نہ بخشے اور پھر یہی ادخالِ الٰہی حصولِ جنت پر فضل و رحمت کے اطلاق کی وجہ مصححہ بن سکتی ہے تو کیوں نہ کفر و معاصی پر جہنم کی سزا تجویز کرنے پر خدا تعالیٰ کو (العیاذ باللہ) ظالم قرار دیا جائے کہ اگر وہ اپنی مشیت سے سلسلۂ اسباب کی تکمیل نہ کر لیتا تو فقط عمل تو اس کے لئے بہرحال کافی نہیں تھا۔ حالانکہ

رُسُلًا مُّبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌ بَعْدَ	ان سب کو خوشخبری دینے والے اور خوف سنانے والے بنا کر اس لئے بھیجا تا کہ لوگوں

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ (سورۂ نساء : ۴۰)	بے شک اللہ تعالیٰ ایک ذرہ بھر ظلم نہیں کرے گا۔
لَا يَظْلِمُ رَبُّكَ اَحَدًا ۝ (سورۂ کہف ۴۹)	اور تیرا پروردگار کسی پر ظلم نہیں کرے گا

جیسی آیات میں بڑی سختی سے اس کی نفی کی گئی ہے۔

اس کا جواب واللہ اعلم یہی دیا جا سکتا ہے کہ انفس و آفاق کا یہ پورا عالم اور اس کا ایک ایک ذرہ خدا تعالیٰ کے وجود، اس کی توحید، عظمت و کبریائی اور قدرت و حکمت کی گواہی دے رہا ہے۔ انسان کی اپنی فطرت عقل اور خدا تعالیٰ کے بھیجے ہوئے تمام انبیاء و رسل صلوٰت اللہ علیہم اجمعین یا ان کے سچے جانشین اس کو زندگی بھر یہ دعوت دیتے رہتے ہیں کہ اس محسن اعظم کا وفادار بن کہ جس کی لاتعداد نعمتوں سے تیری زندگی کا ایک ایک لمحہ اٹا پڑا ہے ظاہر ہے کہ اس صورت میں جبکہ آپ اللہ تعالیٰ کے نقد انعامات و اکرامات سے لطف اندوز ہو رہے ہوں اور آپ کا درون و بیرون دونوں آپ کو خدا تعالیٰ کی شکر گزاری پر مجبور کر رہا ہو شکر گزار بننا کیا کچھ قابل انعام ہو سکتا ہے۔ بلاشبہ اس شکر گزاری پر

وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَشْتَهِيْٓ اَنْفُسُكُمْ (سورۂ حم سجدہ آیت ۳۱)	اور تمہارے واسطے اس (جنت) میں وہ سب کچھ موجود ہے جس کو تمہارا جی چاہے۔
اعددت لعبادی الصالحین ما لا عین رأت ولا اذن سمعت و لا خطر علی قلب بشر	میں نے اپنے نیک بندوں کے لئے ایسی نعمتیں تیار کر رکھی ہیں جن کو کسی آنکھ نے دیکھا نہیں اور کسی کان نے سنا نہیں بلکہ کسی دل میں ان کا گزر تک نہیں ہوا ہے۔

والی نعمتیں عطا کرنا اس کا فضل اور رحمت ہی ہو سکتی ہے۔ اور اس کے برعکس درون و بیرون کی ان تمام دواعی کی مخالفت اور نفس و شیطان کی رفاقت اختیار کرنا جبکہ ان کے بارے میں بکرات و مرات نہایت واشگاف الفاظ میں تنبیہ کی گئی ہے کہ:

الرُّسُلِ ۝ (سورۃ نساء، آیت ۱۶۵)	کے پاس اللہ تعالیٰ کے سامنے ان پیغمبروں کے بعد کوئی عذر باقی نہ رہے۔

اور ان جیسی دوسری آیات اسی باب میں وارد ہوئی ہیں۔

اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌ بِالسُّوْٓءِ ۝ (سورۃ یوسف آیت ۵۳)	بے شک نفس تو بری (ہی) بات کا بتلانے والا ہے۔
اِنَّ الشَّيْطَانَ لَكُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوْهُ عَدُوًّا ۝	بے شک شیطان تمہارا دشمن ہے سو تم اسے دشمن (ہی) سمجھتے رہو۔

وہ انتہائی ڈھٹائی اور کمال درجہ کی نمک حرامی ہے جس کی سزا میں جتنی بھی تغلیظ و تشدید سے کام لیا جاوے عین عدل ہے۔ اس کو ظلم کہنا ہی ظلم اور زیادتی ہے۔

اس کے بعد مولانا مرحوم بیان کے اسی سلسلے میں دنیاوی تکالیف و مصائب کے مختلف عوامل کی نشان دہی کرتے ہوئے ان سے متعلق ایک اور حاشیئے میں تحریر فرماتے ہیں:

"مثلاً زنا کرنے والے کا بیماری میں مبتلا ہو جانا کہ یہ اس گناہ کی اخلاقی سزا نہیں ہے بلکہ اس کا طبعی نتیجہ ہے اگر وہ علاج کرنے میں کامیاب ہو جائے تو بیماری سے بچ جائے گا۔ مگر اخلاقی سزا سے نہ بچے گا اگر توبہ کرے تو اخلاقی سزا سے بچ جائیگا مگر بیماری دور نہ ہوگی۔"

زنا کے نتائج کی یہ تنویع و توزیع بہرحال مسلّم ہے اور یہ بھی تسلیم ہے کہ بیماری میں مبتلا ہو جانا اس کا طبعی نتیجہ ہے لیکن اخلاقی سزا کا ذکر کر کے خاموشی اختیار کر لی اور یہ نہیں بتلایا کہ وہ کیا چیز ہے۔ تاہم سابقہ منقولہ طویل اقتباس کے اس حصّے سے ——

"مثال کے طور پر اگر کوئی شخص کسی کو قتل کر دے تو اس فعل کے اخلاقی نتیجے کا مرتب ہونا موقوف ہے اس امر پر کہ قوانین طبعی اس کے سراغ لگنے، اور اس کے اوپر جرم ثابت ہونے اور اس پر اخلاقی سزا کے نافذ ہونے میں مددگار ہوں۔ اگر وہ مددگار نہ ہوں تو کوئی اخلاقی نتیجہ سرے سے مرتب ہوگا ہی نہیں اور اگر وہ سازگاری کر بھی لیں تب بھی اس فعل کے پورے اخلاقی نتائج مرتب نہ ہو سکیں گے کیونکہ مقتول کے عوض قاتل کا محض قتل کیا جانا اس فعل کا پورا اخلاقی نتیجہ نہیں ہے جس کا اس نے ارتکاب کیا تھا۔"

جہاں یہ معلوم ہوتا ہے کہ قتل کا اخلاقی نتیجہ قصاص بشمول اُخروی عذاب ہے وہاں قیاساً یہ بھی معلوم ہوا

پھر اتمامِ حجت کے بعد ہلاکت بھی ــــ ہالکین کے لئے نہ سہی ــــ دوسروں کے لئے رحمت و رأفت کا ذریعہ بنتی ہے، رہے ہالکین تو انہوں نے فطری روش کو چھوڑ کر آپ ہی اپنے اوپر ظلم کیا۔ چنانچہ رحمت کی اس ارزانی میں بھی وہ رحمت کا ہدف اور محل ہی نہ ٹھہر سکے

نقصانِ زقابل است وگرنہ علی الدّوام ــــ فیض سعادتش ہمہ کس را برابر است

کہ زنا کی اخلاقی سزا بھی مولانا مرحوم کے نزدیک حدِ زنا اور اُخروی عذاب ہوگا، ہم نتائجِ اعمال سے متعلق تحریر کردہ اپنی مفصل بحث کی رُو سے، کسی بھی فعل کے دنیا و آخرت میں ظاہر ہونے والے ان تمام عواقب کو جن میں دوسرے انسانوں کی مداخلت اور توسط کا کوئی حصہ نہ ہو، ایک ہی سلسلے کی باہم مربوط طبعی کڑیاں شمار کرتے اور سمجھتے ہیں جو اگر قدرت اپنی عادتِ عامہ کو بروئے کار لائے تو ان میں ہر ایک کا اپنے وقت میں موجود ہو جانا ناگزیر ہوتا ہے اِلّا یَمْحُوا اللّٰہُ مَا یَشَآءُ وَ یُثْبِتُ ۝ (رعد آیت ۳۹) کی بدولت ان میں سے کسی ایک یا کئی کڑیوں یا اس پورے سلسلے کو وجود میں آنے سے روک بھی سکتی ہے۔ اس قاعدے کی رو سے زنا و قتل کے بعد ان کی آخروی سزائیں تو ان جرائم کے وہ طبعی نتائج ہیں جن کا ندامت و استغفار یا قدرت کی عادتِ خاصہ کے بغیر وجود میں آنا ایسا ہی یقینی ہے جس طرح سے زنا کے بعد دوائی یا دوسرے مخفی موانع کے بغیر بیماری میں مبتلا ہو جانا، باقی رہیں حدِ زنا و قصاص کی سزائیں، تو یہ تو انسانی قصد و اختیار سے نافذ ہونے والے وہ شرعی احکام ہیں جو اسبابِ طبعیہ کی سازگاری سے بڑھ کر لیتے ہی طرح کے کئی دوسرے احکامِ شرعیہ مثلاً، ادائے شہادت بالخصوص وَلَوْ عَلٰٓی اَنْفُسِکُمْ اور حکم بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ وغیرہ پر موقوف ہیں اور اگر اس کے باوجود واقعۃً کوئی اِکّا دُکّا واقعہ ایسا پیش ہی آیا جس میں اسبابِ طبعیہ کی ناسازگاری کی وجہ سے حد یا تعزیر کا راستہ بند تھا تو اعمال کے حقیقی نتائج سے ان حدود و تعزیرات کا تعلق ہی کیا جو ان کو نافذ کئے بغیر نہ چھوڑا جائے۔ یہ شرعی اور اخلاقی سزائیں تو زجر کی حیثیت سے مشروع ہیں جن کے نافذ ہونے کے لئے تو کسی جرم کے انتہائی فساد انگیز ہونے کے ساتھ ساتھ اس کا بالکل قطعی الثبوت ہونا بھی ضروری ہے تاکہ محض شبہات پر سزاؤں کے نفاذ سے کہیں اصل جرائم کے فساد سے بڑھ کر فسادات کے دروازے نہ کھل جائیں۔ ہاں اسلامی سزاؤں کے جاری ہو جانے پر، جرم کا کوئی حقیقی نتیجہ برآمد ہونے کی بنا پر نہیں بلکہ محض فضل و کرم خداوندی کی بنا پر آخروی سزا کے ٹل جانے کی امید کی جا سکتی ہے جس کا مجازات کے عام قانون پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔

اس طویل بحث سے ہمارے قائم کردہ تیسرے سوال کا جواب بھی ہو گیا کہ رب تعالیٰ الرؤف الرحیم ہے۔ چنانچہ اس کی رأفت و رحمت کا تقاضہ ہے کہ انسان کی اس حد تک اصلاح کا انتظام فرمائے جس حد تک اس کی اہلیت و قابلیت ساتھ دے۔

اس باب کے خاتمے پر ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اس سوال کا جواب بھی دیا جائے جو پورے باب کو غور و فکر سے پڑھنے کے بعد ایک ذہین قاری کے دل میں پیدا ہوئے بغیر نہیں رہتا۔ اور وہ یہ کہ انسانی اعمال کی یہ خاصیات اور خصوصیات اگر واقعتاً ایسی ہی ہیں جن کا ناک نقشہ پیش کیا گیا تو ہمارے ان بے شمار تجربات کی کیا توجیہہ ہوگی جن میں ہم دیکھتے ہیں کہ بڑے بڑے گناہوں بلکہ کفر و شرک میں مبتلا لوگ پوری زندگی عیش و عشرت کی داد دیتے پھرتے ہیں نہ تو زندگی میں گناہوں کا کوئی اثر بدن پر پڑتا دکھائی دیتا ہے اور نہ ہی ان کی موت کوئی ایسی غیر معمولی طریقے سے واقع ہوتی ہے جس کو عذاب سے تعبیر کیا جاسکے اس کے برعکس سینکڑوں ہزاروں صالحین بلکہ انبیاء صلوات اللہ علیہم اجمعین تک کی سیرتوں کے مطالعے سے پتہ چلتا ہے کہ ان کی ساری ساری عمریں آلام و مصائب میں کٹ جاتی ہیں اور موت بھی آتی ہے تو ایسی حسرت اور مظلومی لئے ہوئے کہ جس کے احساس سے کلیجے پھٹے جاتے ہیں۔

اس سوال کا ایک جواب تو یہ ممکن بلکہ عین واقع ہے کہ جب دنیا کی ہزاروں خوشیاں دوزخ کے ایک غوطے اور زندگی بھر کے مصائب جنت کے ایک نظارے سے نسیاً منسیاً ہو جاتے ہیں جیسے کہ حدیث میں وارد ہے۔

یوتی بالنعم اهل الدنیا من اهل النار یوم القیمة فیصبغ فی النار صبغة ثم یقال یا ابن آدم هل رأیت خیرًا قط هل مر بك نعیم قط فیقول لا واللہ یا رب ویوتی باشد الناس بؤسًا فی الدنیا من اهل الجنة فیصبغ صبغة فی الجنة فیقال له یا ابن

قیامت کے دن اہل دنیا کے سب سے خوشحال جہنمی کو حاضر کیا جائے گا۔ چنانچہ اسکو ایک مرتبہ جہنم میں ڈبو دیا جائے گا پھر اس سے پوچھا جائے گا اے آدم کے بیٹے کبھی تونے خیر دیکھا بھی ہے اور کبھی تم نعمتوں میں رہے ہو وہ کہے گا ہرگز نہیں میرے رب اور اسی طرح سے دنیا کے ایک انتہائی تنگ حال اور مصیبت زدہ جنتی کو حاضر کیا جائے گا اور اس کو جنت کا ایک ہی

آدم هل رأیت بؤسا قطّ و	نظارہ کرادیا جائے گا پھر اس سے پوچھا
هل مرّبك شدة قطّ فیقول	جائیگا کبھی تم نے مصیبت دیکھی بھی ہے
لا واللّٰه یا رب ما مرّبی بؤس	اور کبھی کسی سختی کا سامنا کیا ہے وہ کہے گا
قطّ ولا رأیت شدة قطّ	کہ ہرگز نہیں میرے رب کبھی مجھ پر مصیبت
(مشکوٰۃ باب الانذار والتحذیر)	نہیں گزری اور کبھی اس کو دیکھا تک نہیں۔

توسوال میں پیش کردہ صورتِ حال سے عدل کا کوئی تقاضہ مجروح نہیں ہوتا جیسے کہ رب تعالیٰ بھی ارشاد فرماتے ہیں:۔

اَفَمَنْ وَّعَدْنٰهُ وَعْدًا حَسَنًا	بھلا وہ شخص جس سے ہم نے پسندیدہ وعدہ
فَهُوَ لَاقِیْهِ كَمَنْ مَّتَّعْنٰهُ	کر رکھا ہے اور وہ اُسے پالینے والا ہے
مَتَاعَ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا ثُمَّ	اس جیسا ہو سکتا ہے جسے ہم نے دنیا وی
هُوَ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ مِنَ الْمُحْضَرِیْنَ	زندگی کا چند روزہ فائدہ دے رکھا ہے
(سورۃ قصص آیت ۶۱)	اور وہ قیامت کے دن ان لوگوں میں
	ہوگا جو گرفتار کر کے لائیں جائیں گے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ بارہا صالحین ومقربین کی بابت حق تعالیٰ کا غیر معمولی ارادۂ خیر حرکت میں آجاتا ہے چنانچہ ان کے چھوٹے سے چھوٹے گناہ اور لغزش کو بھی اپنا دنیاوی طبعی نتیجہ پیدا کرنے کے لئے بالکل کھلا اور آزاد چھوڑ دیا جاتا ہے بلکہ یہ بھی ہوتا ہے کہ تقرب جس قدر زیادہ ہو نتائج میں اعمال کی طبیعت سے نہیں بلکہ اپنی مشیّت سے اور بھی شدت پیدا فرمادیتے ہیں تاکہ مکافات کا سارا معاملہ یہیں پر ختم ہوجائے اور موت کے دروازے سے داخل ہوتے ہی آخرت کی مسرتوں سے بلا کسی ادنیٰ رکاوٹ کے فوری طور پر شاد کام ہونے لگیں گویا مصائب ومشکلات کفارۂ ذنوب بن کر وارد ہوتے ہیں۔ حدیث :

ما من مصیبة تصیب المسلم	کوئی مصیبت ایسی نہیں ہے جو کسی مسلمان
الا کفر اللّٰه بها عنه حتی	کو پہنچے مگر وہ اس کے گناہوں کا کفارہ
الشوکة یشاکها	بن جاتی ہے یہاں تک کہ کانٹا جو اس
(ترمذی)	کے پاؤں میں چُبھے

[illegible] کی بات کا بیان ہے، تاہم انبیاء علیہم الصلوٰت کے باب میں یہ سب کچھ رفع درجات

کے ذیل میں آتا ہے کہ ان مقدس ہستیوں کی کتابِ حیات میں گناہِ حقیقی نام کی کوئی چیز پائی نہیں جاتی۔

اسی طرح سے جب کسی انتہائی سرکش اور نافرمان کی بابت یہ طے پاتا ہے کہ ہدایت کا ایک ذرّہ بھی اس کے نصیب میں آنے والا نہیں تو اس کو زندگی کے میدان میں خوب پلنے، پھولنے اور پھیلنے کے مواقع فراہم کر دیئے جاتے ہیں تاکہ

يَوْمَ نَبْطِشُ الْبَطْشَةَ الْكُبْرٰى — جس روز ہم بڑی سخت پکڑ پکڑیں گے

(سورۃ دخان آیت ۱۶)

کے سلسلے میں کوئی کسر باقی نہ رہے۔ قرآنی ارشادات

وَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ غَافِلًا عَمَّا يَعْمَلُ الظّٰلِمُوْنَ ۚ اِنَّمَا يُؤَخِّرُهُمْ لِيَوْمٍ تَشْخَصُ فِيْهِ الْاَبْصَارُ ۙ مُهْطِعِيْنَ مُقْنِعِيْ رُءُوْسِهِمْ لَا يَرْتَدُّ اِلَيْهِمْ طَرْفُهُمْ ۚ وَاَفْـِٕدَتُهُمْ هَوَآءٌ ۝

(سورۃ ابراہیم آیات ۴۲، ۴۳)

اور اللہ کو اس سے بے خبر ہرگز مت سمجھ جو کچھ (یہ) ظالم لوگ کر رہے ہیں۔ انہیں تو بس اس روز تک وہ مہلت دیئے ہوئے ہیں جس میں نگاہیں پھٹی رہ جائیں گی وہ دوڑ رہے ہوں گے۔ اپنے سر اٹھا رکھے ہوں گے ان کی نظر ان کی طرف واپس نہ آئے گی اور ان کے دل بدحواس ہوں گے۔

اَيَحْسَبُوْنَ اَنَّمَا نُمِدُّهُمْ بِهٖ مِنْ مَّالٍ وَّبَنِيْنَ ۙ نُسَارِعُ لَهُمْ فِى الْخَيْرٰتِ ۭ بَلْ لَّا يَشْعُرُوْنَ ۝

(المؤمنون آیات ۵۵، ۵۶)

کیا یہ لوگ یہ گمان کر رہے ہیں کہ ہم انکو جو کچھ مال و اولاد دیئے چلے جاتے ہیں تو ہم ان کو جلدی جلدی فائدے پہنچا رہے ہیں۔ نہیں بلکہ یہ لوگ سمجھتے نہیں۔

کا یہی مطلب ہے۔

یہ دونوں جوابات اپنی جگہ پر بہت وقیع اور وزن دار ہیں اور نفس الامر کے مطابق بھی، لیکن تاثیرِ اعمال کی اس محوری بات سے متصادم دکھائی دیتے ہیں کہ ہر اچھے برے عمل کے نتائج کا سلسلہ دنیا سے آخرت تک پھیلا ہوا ہے، گو وجود موانع یا عادتِ خاصہ یا

"كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِي شَأْنٍ" کی مدد سے اس تصادم کو بڑی آسانی سے ختم کیا جا سکتا ہے لیکن یہاں ایک ایسی عظیم الشان حقیقت بھی موجود ہے جو نہ صرف متوافق بلکہ تاثیر اعمال کے نظریئے کو غیر معمولی تقویت بھی پہنچاتی ہے۔

بیان اس کا یہ ہے کہ اچھے بُرے اعمال کے اچھے بُرے نتائج کا جو معیار ہم نے مقرر کیا ہے۔ بنیادی طور پر یہ معیار ہی غلط ہے صحت و قوت اور مال و اولاد کو ہم اچھی اور بیماری و ضعف اور غربت و تنہائی کو بُری زندگی کہتے ہیں بلاشبہ یہ کہنا درست بھی ہو سکتا ہے لیکن یہ ضروری نہیں کہ ہر بار اور ہر جگہ پر صحیح ہو بارہا یہ بھی ہوتا ہے کہ صحت و قوت اور مال اولاد کے ہوتے ہوئے زندگی میں ناقابلِ برداشت حد تک بے کیفی اور بے قراری ہوتی ہے۔ قرآن حکیم اس صورت حال کو یوں بیان فرماتا ہے۔

وَمَنْ أَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِي فَإِنَّ	اور جو کوئی میری نصیحت سے اعراض
لَهُ مَعِيشَةً ضَنْكًا وَنَحْشُرُهُ	رکھے گا سو اس کے لئے تنگی کا جینا ہوگا
يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَعْمَىٰ۔	اور قیامت کے دن ہم اسے اندھا اٹھائیں
(سورۃ طٰہٰ آیت ۱۲۴)	گے۔

بلکہ یہی مال و اسباب اس کی بے قراری اور دنیاوی تعذیب کا بھی ذریعہ بن جاتے ہیں۔ رب تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَلَا تُعْجِبْكَ أَمْوَالُهُمْ وَأَوْلَادُهُمْ	اور ان کے مال اور ان کی اولاد آپ کو
إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ أَنْ يُعَذِّبَهُمْ	تعجب میں نہ ڈال دے اللہ کو تو یہی منظور
بِهَا فِي الدُّنْيَا وَتَزْهَقَ أَنْفُسُهُمْ	ہے کہ انہیں ان کے ذریعے سے دنیا میں
وَهُمْ كَافِرُونَ ۝	بھی عذاب کرتا رہے اور ان کی جانیں اس
(سورۃ توبہ آیت ۸۵)	حال میں نکلیں کہ وہ کافر ہوں۔

اس کے بالکل برعکس صلحاء کی زندگیوں میں یہ مشاہدہ کیا جاتا ہے کہ وہ بظاہر بڑے خستہ حال دکھائی دیتے ہیں۔ صحت و قوت اور مال و اولاد میں سے کوئی چیز بھی ان کے پاس نہیں ہوتی ہے لیکن ان کا دل ناقابلِ بیان حد تک مطمئن اور مسرور ہوتا ہے اور ان کی زندگی کے شب و روز انتہائی قابلِ رشک، اس کے لئے قرآن پاک کی مندرجہ ذیل آیات تلاوت فرمائیے۔

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِنْ ذَكَرٍ أَوْ	نیک عمل جو کوئی بھی کرے گا مرد ہو یا

اُنْثٰی وَھُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْیِیَنَّهٗ حَیٰوةً طَیِّبَةً وَّلَنَجْزِیَنَّهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ۝

عورت بشرطیکہ صاحب ایمان ہو تو ہم اسے ضرور ایک پاکیزہ زندگی عطا کریں گے اور ہم انہیں ان کے اچھے کاموں کے عوض میں ضرور اجر دیں گے۔

(سورۃ نحل آیت ۹۷)

لِلَّذِیْنَ اَحْسَنُوْا فِیْ هٰذِهِ الدُّنْیَا حَسَنَةٌ ۝

جن لوگوں نے نیکی کی ان کے لئے اس دنیا میں بھی بھلائی ہے۔

(سورہ نحل آیت ۳۰، سورۃ زمر آیت ۱۰)

اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَکَانُوْا یَتَّقُوْنَ ۝ لَهُمُ الْبُشْرٰی فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَفِی الْاٰخِرَةِ ط لَا تَبْدِیْلَ لِکَلِمٰتِ اللّٰهِ ط ذٰلِکَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ ۝

(سورہ یونس آیت ۶۳، ۶۴)

یہ وہ ہیں جو ایمان لائے اور پرہیزگاری اختیار کئے رہے۔ ان کے لئے خوشخبری ہے دنیا کی زندگی میں بھی اور آخرت میں بھی اللہ کی باتیں بدلا نہیں کرتیں۔ یہی تو بڑی کامیابی ہے۔

یہ سرور و اطمینان ہر صالح کو اس کے بقدر مرتبہ حاصل ہوتا ہے اور بقول علامہ ابن تیمیہؒ یہی اس دنیا کی وہ جنت ہے جس سے محرومی آخرت کی جنت سے محرومی کی کافی دلیل بنتی ہے۔

اِنَّ فِی الدُّنْیَا جَنَّةً مَنْ لَمْ یَدْخُلْهَا لَمْ یَدْخُلْ جَنَّةَ الْاٰخِرَةِ

دنیا ہی میں مومن کے لئے ایک ایسی جنت ہے کہ جو اس میں داخل نہ ہوسکا وہ آخرت کی جنت میں بھی داخل نہ ہوگا۔

(الرد الوافر بحوالہ تاریخ دعوت و عزیمت، جلد دوم)

خریدار حضرات سے گذارش ہے کہ وہ خط و کتابت کرتے وقت خریداری نمبر کا حوالہ ضرور دیا کریں۔ ایسا نہ کرنے کی وجہ سے ادارہ کو غیر ضروری زحمت اٹھانی پڑتی ہے۔ امید ہے کہ آپ آئندہ ہماری گذارش کو ملحوظ خاطر رکھیں گے۔ (ادارہ)

مروجہ نظام زمینداری اور اسلام (۹)

مزارعت اور آثارِ صحابہؓ و تابعینؒ

از قلم: مولانا محمد طاسین

آثارِ صحابہؓ و تابعینؒ وہ احادیث و روایات ہیں جن میں صحابہ کرامؓ اور تابعینِ عظام کے اقوال اور افعال کا بیان ہوتا ہے۔ اِن آثار سے ان شرعی احکام کی بعض عملی تفصیلات سمجھنے میں مدد ملتی ہے جو کتاب و سنّت سے ثابت ہوتے ہیں، آثارِ صحابہؓ و تابعین سے زندگی کے مختلف شعبوں سے متعلق اسلامی احکامات کے بعض عملی پہلوؤں کی وضاحت ہوتی ہے، لیکن چونکہ صحابہ و تابعین بھی اللہ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت اور احکام کتاب و سنّت کی پیروی کے اسی طرح مکلّف تھے جس طرح بعد میں آنے والے ہر زمانے کے مسلمان، اسی طرح صحابہ کرام بعد والوں کی بہ نسبت خطاؤں سے بہت کچھ محفوظ سہی لیکن بجائے خود معصوم نہ تھے۔ ان کی اجتہادی آراء میں صواب و خطاء دونوں کا احتمال تھا۔ لہٰذا کسی مسئلہ سے متعلق ان کے ایسے اقوال و اعمال جن میں اختلاف پایا جاتا ہو یعنی بعض اس کے جواز پر اور بعض عدم جواز پر دلالت کرتے ہوں تو یہ معلوم کرنے کے لئے کہ ان میں سے کون سے اقوال و اعمال صحیح و صواب اور کون سے غیر صحیح اور خطاء ہیں اصل معیار کتاب اللہ اور سنّتِ رسول اللہ ہیں۔ چنانچہ جو اقوال و افعال اصولی و بنیادی طور پر کتاب و سنّت سے مطابقت رکھتے ہوں انہیں صحیح اور قابلِ اعتماد اور جو مطابقت نہ رکھتے ہوں ان کو غیر صحیح، ناصواب اور ناقابلِ اعتبار سمجھنا اور ماننا ضروری ہوگا۔

کتبِ حدیث میں مزارعت و کراء الارض کے متعلق صحابہؓ و تابعینؒ کے جو اقوال و افعال محفوظ ہیں ان سے ظاہر ہوتا ہے کہ صحابہ و تابعین میں سے بعض اس کے جواز کے قائل تھے اور بعض عدم جواز کے، اور ان کے مابین اس مسئلہ میں اختلافِ آراء پایا جاتا تھا۔ ضروری

ہے کہ اس بحث میں وہ آثارِ صحابہؓ وتابعین نقل کئے جائیں جن سے اس کا اظہار ہوتا ہے۔
اس سلسلہ میں سب سے پہلے وہ آثار خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں جو صحیح البخاری کے "باب المزارعة بالشطر ونحوہ" کے ترجمۃ الباب میں بیان کئے گئے ہیں اور جن کو وہ حضرات اپنے موقف کی تائید میں شدومد کے ساتھ پیش کرتے ہیں جو جوازِ مزارعت کے قائل اور دعویدار ہیں۔
ان میں صحابہؓ کے آثار بھی ہیں اور تابعینؒ کے آثار بھی، لیکن ان آثار کو نقل کرنے سے پہلے جو بخاری کے ترجمۃ الباب میں مذکور ہیں یہ عرض کر دینا ضروری ہے کہ شارحین بخاری نے لکھا ہے کہ امام بخاری نے اپنی کتاب میں ہر باب کے تحت احادیث بیان کرنے سے پہلے باب کے عنوان کے ساتھ عام طور پر جو روایات بیان کی ہیں ان میں انہوں نے صحت کے اس معیار کو ملحوظ نہیں رکھا جس کو انہوں نے احادیث باب میں ملحوظ رکھا ہے۔ لہٰذا ترجمۃ الباب کی احادیث و روایات میں قوی بھی ہیں اور ضعیف بھی، قابلِ اعتماد بھی ہیں اور ناقابلِ اعتماد بھی، ان میں وہ بھی ہیں جن کا ترجمۃ الباب سے واضح تعلق ہے اور وہ بھی ہیں جن کا ترجمۃ الباب سے اور جس مسئلہ کے لئے باب قائم کیا گیا ہے کوئی خاص تعلق نہیں بلکہ بہت دور کا عمومی تعلق ہے۔ مثلاً علامہ محمد انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے مولانا بدر عالم صاحب فیض الباری شرح البخاری کے اندر امام بخاری کے تراجم ابواب کی بحث میں لکھتے ہیں:

"ومن دأبه انه يضع في تراجم التعليقات والآثار والضعاف من الاحاديث المرفوعة لضعف يسير" (ص۱۴)

اور امام بخاری کی عادت و روش میں سے ایک یہ بھی ہے کہ وہ تراجم ابواب میں رکھتے ہیں تعلیقات اور آثارِ صحابہ و تابعین اور مرفوع احادیث میں سے وہ حدیث جو معمولی ضعف کی وجہ سے ضعیف ہوتی ہیں ۔۔۔ تعلیقات سے مراد وہ احادیث ہیں جن کی سند میں بعض راویوں کے عدمِ ذکر سے انقطاع ہوتا ہے۔

اسی طرح لامع الدراری شرح البخاری میں حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب حضرت شیخ الہند اور شیخ محمد عابد سندھی کے حوالے سے لکھتے ہیں:

"ان الامام البخاري كثيرا ما يذكر في الترجمة آثار الصحابة وغيرها، فمنها ما يكون مثبتاً للترجمة ومنها ما يذكره

لادنیٰ مناسبۃ" (مقدمہ لامع الدراری ص۲۲۶)

"امام بخاری عموماً ترجمۃ الباب میں آثارِ صحابہؓ اور آثارِ تابعینؒ ذکر کرتے ہیں جن میں سے بعض کی حیثیت ترجمہ کے لئے مثبت دلیل کی ہوتی ہے اور بعض ترجمہ سے یونہی معمولی اور دور کی مناسبت رکھتے ہیں۔

چنانچہ شارحین بخاری جیسے حافظ ابنِ حجرؒ، حافظ بدرالدین عینیؒ اور کرمانی وقسطلانی نے بخاری کے تراجم الابواب کی احادیث و آثار میں سے بعض کو ضعیف اور ساقط الاعتبار لکھا ہے لہٰذا ہو سکتا ہے کہ باب المزارعۃ بالشطر ونحوہ کے ترجمہ میں ذکر کردہ بعض آثار ضعیف اور غیر متعلق ہوں، میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی وہ پوری عبارت جس میں انہوں نے جوازِ مزارعت کے متعلق آثارِ صحابہ وتابعین بیان فرمائے ہیں نقل کرنے کی بجائے مناسب سمجھتا ہوں کہ اس کا ایک ایک ٹکڑا نقل کر کے اس پر بحث کی جائے۔ اس کے شروع میں جو اثر ہے اس کے الفاظ یہ ہیں:

وقال قیس بن مسلم عن ابی جعفر قال ما بالمدینۃ اہل بیت ھجرۃ الا یزرعون علی الثلث والربع۔ ص۳۱۳ ج ۱	اور قیس بن مسلم نے ابوجعفر سے روایت کرتے ہوئے کہا کہ انہوں نے فرمایا کہ مدینہ میں مہاجرین کا کوئی گھر نہ تھا جو تہائی اور چوتھائی پر کاشت نہ کرتا کراتا ہو۔

یہ اثر ایسا ہے کہ اس کی سند اور اس کے متن پر بحث وتحقیق کی کافی گنجائش ہے، اس اثر میں جس تابعی کا قول بیان ہوا ہے ان کا نام محمد بن علی بن حسینؒ، لقب باقر اور ان کی کنیت ابوجعفر ہے اور مدینہ منورہ کے رہنے والے ہیں، اس سند سے بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ اثر امام بخاری نے قیس بن مسلم سے اور قیس بن مسلم نے ابوجعفر الباقر سے سنا ہے لیکن حقیقت میں ایسا نہیں کیونکہ تہذیب التہذیب کے مطابق قیس بن مسلم کی وفات ایک سو بیس ہجری (۱۲۰ھ) میں ہوئی اور امام بخاری کی ولادت ایک سو چورانوے (۱۹۴ھ) میں۔ گویا قیس بن مسلم کی وفات کے چہتّر (۷۴) سال بعد ہوئی۔ لہٰذا امام بخاری کے قیس بن مسلم سے سماع کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، بلکہ جیسا کہ امام بخاری کی ایک روایت سے جو کتاب الایمان میں ہے، ظاہر ہوتا ہے کہ امام بخاری اور قیس بن مسلم کے درمیان تین

واسطے ہیں، اس روایت کی سند اس طرح ہے :

" حدثنا الحسن بن الصباح، سمع جعفر بن عون، حدثنا ابو العمیس، اخبرنا قیس بن مسلم"

لہٰذا قرین قیاس یہ ہے کہ زیر بحث اثر کی سند میں بھی امام بخاری اور قیس بن مسلم کے درمیان تین راوی ضرور ہوں گے جن کا یہاں ذکر نہیں بنا بریں اس انقطاع کی وجہ سے یہ اثر ضعیف ہے۔

حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں اور حافظ بدر الدین عینی نے عمدۃ القاری شرح البخاری میں اس اثر کی شرح کرتے ہوئے لکھا ہے کہ :

وھذا الاثر وصلہ عبد الرزاق قال اخبرنی الثوری قال اخبرنا قیس بن مسلم بہ ۔

" اس اثر کو محدث عبد الرزاق نے اپنی مصنف میں متصل سند کے ساتھ بیان کیا ہے جس میں امام عبد الرزاق اور قیس بن مسلم کے درمیان حضرت سفیان الثوری کا واسطہ ہے"

جس اثر کا حوالہ دیا گیا ہے وہ مطبوعہ مصنف عبد الرزاق میں ان الفاظ سے ہے۔

قال الثوری واخبرنی قیس بن مسلم عن ابی جعفر قال ما بالمدینۃ اھل بیت ھجرۃ الا یعطون ارضھم بالثلث و الربع (ص ۱۰۰ - ج ۸)	سفیان ثوری نے مجھ سے بیان کیا کہ ان سے قیس بن مسلم نے ابو جعفر سے روایت کرتے ہوئے کہا کہ مدینہ میں مہاجرین کا کوئی گھرانہ نہیں جو اپنی زمینیں تہائی اور چوتھائی پیداوار پر نہ دے رہا ہو۔

بہر حال اس روایت سے یہ تو ضرور ظاہر ہوتا ہے کہ امام عبد الرزاق اور قیس بن مسلم کے درمیان سفیان ثوریؒ کے واسطہ سے سند متصل ہے اور یہ کہ بلاشبہ اس سے بخاری کے بیان کردہ اثر کو کچھ تقویت مل جاتی ہے۔ لیکن چونکہ یہ ضروری نہیں کہ امام بخاری نے یہ اثر عبد الرزاق کے حوالے سے بیان کیا ہو کسی اور کے حوالے سے بھی ہو سکتا ہے، پھر اگر یہ بھی تسلیم کر لیا جائے کہ امام بخاری نے یہ اثر امام عبد الرزاق کے حوالے سے بیان کیا ہے تو اس صورت میں بھی امام بخاری اور امام عبد الرزاق کے درمیان کا راوی مجہول رہتا ہے۔ کیونکہ امام بخاری اور امام عبد الرزاق کے درمیان ایک راوی کا ہونا ضروری ہے۔ اور اگر

انہوں نے یہ اثر ابوبکر بن ابی شیبہ کے حوالے سے بیان کیا ہے جو امام بخاری کے شیوخ میں سے ہیں تو یہ اثر سند کے لحاظ سے بالکل متصل ہو جاتا ہے۔ مصنف ابن ابی شیبہ میں وہ اس طرح ہے:

حدثنا ابوبکر قال حدثنا وکیع عن سفیان عن قیس بن مسلم عن ابی جعفر قال ما بالمدینۃ اھل بیت ھجرۃ الا وھم یعطون ارضھم بالثلث والربع۔ (ص۳۴۳ ج ۶)

تعجب ہے کہ حافظ ابن حجر نے اس کا حوالہ کیوں نہیں دیا۔

علاوہ ازیں حافظ ابن حجر نے اس اثر کی شرح میں یہ بھی لکھا ہے۔

"وحکی ابن التین ان القابسی انکر ھذا وقال کیف یروی قیس بن مسلم ھذا من ابی جعفر وقیس کوفی وابوجعفر مدنی ولا یرویہ عن ابی جعفر احد من المدنیین"

(ص۸ ج ۵، فتح الباری)

"ابن التین نے نقل کیا ہے کہ القابسی نے اس اثر کا انکار کیا اور اس کی وجہ یہ بتائی ہے کہ قیس بن مسلم ابوجعفر سے یہ کیسے روایت کر سکتا ہے جبکہ قیس کوفہ کا رہنے والا ہے اور ابوجعفر مدینہ کے باشندے ہیں اور اس اثر کو ابوجعفر سے مدینہ کا کوئی راوی روایت نہیں کرتا۔

اس اعتراض کا علامہ ابن حجر نے جو جواب دیا ہے اسے نقل کرنے سے پہلے یہ بتلا دینا مفید ہوگا کہ ابن التین کا نام عبدالواحد ہے اور نسبت السفاقسی سے معروف ہیں۔ مالکیہ کے چوٹی کے علماء میں سے اور جلیل القدر محدث ہیں۔ صحیح البخاری کی شرح لکھی ہے جس کا کشف الظنون میں ذکر ہے، اسی طرح علامہ قسطلانی نے بھی اپنی شرح البخاری ارشاد الساری کے مقدمہ میں اس کا ذکر کیا اور یہ بھی لکھا ہے کہ انہوں نے ابن التین کی شرح بخاری کا مطالعہ بھی کیا ہے، ابن التین کا ترجمہ نیل الابتہاج میں موجود ہے۔ اور القابسی کا نام علی بن محمد بن خلف القابسی المعافری المالکی اور ان کی کنیت ابوالحسن ہے بلند پایہ عالم، فقیہہ اور حدیث وعلل حدیث کے حافظ اور صاحب تصانیف ہیں، دیباج المذہب اور شذرات الذہب وغیرہ میں ان کا ترجمہ ہے۔ سنۂ ولادت (۳۲۴م)

اور سنۂ وفات (۴۰۳ھ) ہے، بعض کتابوں میں لکھا ہے کہ حافظ ابن حجر نے ابن التین کی شرح بخاری سے بہت استفادہ کیا ہے اور فتح الباری میں کئی جگہ ان کی عبارتیں نقل فرمائی ہیں جن میں ایک عبارت وہ ہے جو ابھی اوپر نقل کی گئی۔ علامہ ابن التین نے اپنی شرح بخاری میں قیس بن مسلم کے اثر مذکور کی شرح میں علامہ القابسی کا وہ قول بیان کیا ہے جو فتح الباری کی مذکورہ عبارت میں ہے یعنی یہ کہ علامہ قابسی قیس بن مسلم کے اس اثر کا انکار کرتے اور یہ فرماتے تھے کہ قیس بن مسلم کوفی اور ابو جعفر الباقر مدنی ہیں اور ابو جعفر کے قول مذکور کو صرف قیس روائت کرتے ہیں۔ کوئی مدنی راوی روائت نہیں کرتا۔ لہٰذا اس میں ضرور کوئی گڑبڑ ہے، علامہ ابن حجر نے اس اعتراض کا جواب یہ دیا ہے کہ چونکہ قیس بن مسلم ایک ثقہ راوی ہیں اور ثقہ راوی کی روائت قابلِ قبول ہوتی ہے اگرچہ وہ اس کے روائت کرنے میں تنہا و متفرد ہی کیوں نہ ہو۔ ان کے عربی الفاظ یہ ہیں:

وَكم من ثقة تفرد بما لم يشاركه فيه ثقة آخر و ان كان الثقة حافظا لم يضره الانفراد والواقع ان قيسا لم ينفرد به فقد وافقه غيره في بعض معناه۔ (ص ۸ - ج ۵)

"اور کتنے ایسے ثقہ راوی ہیں جو اپنی روائت میں متفرد ہوتے ہیں اور دوسرا کوئی ثقہ ان کے ساتھ شریک نہیں ہوتا، اگر وہ ثقہ حافظ ہو تو روائت میں اس کا منفرد ہونا کچھ مضر نہیں ہوتا، اور واقعہ یہ ہے کہ قیس بن مسلم اس میں منفرد بھی نہیں بعض دوسروں کی روائت میں بھی کسی حد تک اس سے موافقت موجود ہے۔"

(جاری ہے) ○○○○○○○

"اسلام میں خواتین کا مقام" کے موضوع پر ڈاکٹر اسرار احمد کا ایک اہم خطاب ماہنامہ میثاق کے مئی ۸۲ء کے شمارے یعنی اشاعت خصوصی میں ملاحظہ فرمائیں مزید برآں اس موضوع پر دیگر اصحاب علم و دانش کی تحریریں بھی اس اشاعت خصوصی میں شامل ہیں۔
یہ شمارہ دفتر میں محدود تعداد میں موجود ہے قیمت فی پرچہ (قسم ادنیٰ) ۶/۱۰ روپے۔

امام حمید الدین فراہیؒ

کے تفکر و تدبر قرآن کا مرقع

مجموعۂ تفاسیر فراہیؒ

اعلیٰ دبیز کاغذ پر بڑے سائز (۲۲×۲۹/۸) کے ۵۳۶ صفحات

عمدہ آفسٹ کی طباعت اور سنہری ڈائی والی مضبوط اور دیدہ زیب جلد کے ساتھ

ہدیہ صرف -/۶۰ روپے (علاوہ محصول ڈاک)

اب جمادی الثانی تک طلب فرمانے والے حضرات کو مولانا فراہیؒ کی دو مزید تصانیف: 'اقسام القرآن' اور ذبیح کون ہے؟' مفت ارسال کی جائیں گی -

نوٹ: وی پی ارسال نہیں کیا جائے گا - خواہشمند حضرات -/۷۰ روپے بذریعہ منی آرڈر ارسال کریں - کتاب بذریعہ رجسٹرڈ بک پوسٹ ارسال کر دی جائیگی

مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن، ۳۶-کے ماڈل ٹاؤن، لاہور

Regd. L. No. 8193

'HIKMAT-E-QURAN' MONTHLY LAHORE

Vol. 2 | February 1984 | No. 12

قارئین حکمتِ قرآن مطلع رہیں کہ

اِنشاء اللہ العزیز

مرکزی انجمن خدام القرآن ○ لاہور

کے زیرِ اہتمام

پانچویں بار

محاضراتِ قرآنی

موزخہ ۲۵ مارچ تا ۲۸ مارچ ۸۴ء بمقام : جناح ہال

میں منعقد ہونگے جن میں مقامی اصحابِ علم و دانش کے علاوہ ہندوستان سے

بھی علماء کرام شرکت فرمائیں گے

صلائے عام ہے یارانِ نکتہ داں کے لیے